مفتی محمد عبدہ کی تفسیر المنار پارہ عمّ کا لُبِّ خیر

الموسوم بہ

المختار

مِن

المنار

برائے طلباء ایم۔ اے (عربی)

محمد حمزہ نعیم ایم اے

ملنے کا پتہ :-

المکتبۃ العلمیہ ۱۵۔ لیک روڈ۔ لاہور

Marfat.com

تفسیر "المنار" کا منتخب حصہ برائے ایم۔ اے (عربی)

الموسوم بہ

المختار

من

"المنار"

یعنی الربع الاخیر من عمّ (اردو)

(تفسیر جدید)

از

مفتی محمد عبدہ المصری

قیمت ایک روپیہ چار آنے

عمر بن عبدالعزیز ہال شارع عمر بن عبدالعزیز (نسبت روڈ) لاہور

Marfat.com

DATA ENTERED
۲۹۷۶۱۴۳
۵۱۶۱ م
۱۷۶۵۹

حَامِدًا وَمُصَلِّیًا وَمُسَلِّمًا

پیش لفظ

تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

ایم اے عربی پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں تفسیر جدید بھی شامل کر دی گئی ہے اور اس سلسلے میں الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر المنار کے تیسویں پارے کا ربع اخیر داخل نصاب کیا گیا ہے۔ مقصود اس سے طلبہ کو عہد جدید کی تفسیر سے روشناس کرانا ہے۔ نصاب تفسیر کے اس حصے کے بارے میں بیانیہ اور تنقیدی سوال پوچھے جا سکتے ہیں۔

ہمارے یہاں "المنار" کا متن قریب قریب نایاب ہے پھر یہ کہ نصاب میں بہت مختصر سا حصہ اس کا منتخب کیا گیا تھا ضروری سمجھا گیا کہ اس حصہ کو الگ سے شائع کرایا جائے۔ پہلے تو اصل متن عربی کے ساتھ اردو ترجمہ و توضیح شائع کرانے کا خیال تھا مگر بعد میں استاذ محترم حضرت حافظ نورالحسن خان صاحب مدظلہ العالی استاد تفسیر پنجاب یونیورسٹی کے مشورہ سے کہ یہ ترجمہ اکثر و بیشتر انہی کے افادات ہیں، سے ہے صرف اردو ترجمہ پر ہی اکتفا کیا گیا

Marfat.com

DATA ENTERED

کیونکہ تفسیر بیضاوی سورۃ آل عمران کی طرح "المنار" کا متن چنداں ضروری نہیں بلکہ اس کا مفہوم و مطلب ہی زیادہ مطلوب ہے

تفسیر بیضاوی سورۃ آل عمران کا حل الموسوم بہ "التخییر من التفسیر" ۱۹۶۸ میں ہی پیش کر دیا گیا تھا اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ پیش نظر حصہ نصاب جلد ہی شائع ہو جائیگا مگر بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر عرصہ دو سال کا گذر گیا اس سلسلے میں میں بیحد معذرت خواہ ہوں -

حینِ مطالعہ یہ امر زیرِ نظر رہے کہ تفسیر ہذا اُن جدید تفاسیر میں سے ایک ہے جنمیں متقدمین کی تفاسیر سے قدرے اختلاف بھی کیا گیا ہے - یہ دور سائنسی ترقی اور روز افزوں ایجادات کا دور ہے جس کا اثر ہر شعبہ حیات پر علم و فن کے ہر پہلو پر لا بدی ہے - علم تفسیر بھی بہر حال جامد علم نہیں ہے - ہر دور کے علماء نے اپنے زمانہ کی ترقیات پر ایک تنقیدی تحقیقی نگاہ ڈالی اور علم و حکمت کے بحرِ عمیق سے نکات و حقائق کے موتی طالبانِ حق کو پیش کیے -

الشیخ محمد عبدہٗ نے جو اختلافات پیش کیے ہیں وہ خاصے فکر انگیز ہیں اور جامعہ نے ایسی ہی نقطۂ نظر سے ہی تفسیر المنار کا یہ حصہ اپنے نصاب میں شامل کر کے طلبۂ عربی کو دعوتِ تحقیق دی ہے -

فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ؟

محمد حمزہ نعیم ایم - اے
شورکوٹ ضلع جھنگ

۲۶ ربیع الآخر ۱۳۹۰
یکم جولائی ۱۹۷۰

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البیّنۃ

سورۃ بینہ مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں
اس سورہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں راجح قول کے مطابق مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

شانِ نزول:- اہل کتاب، یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اعتقاد اور عمل کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس میں انہوں نے اپنے اغراض کے مطابق تصرف نہ کرلیا ہو۔ اس کا بڑا باعث یہ تھا کہ وہ اعتقاد و عمل دونوں میں اپنے آباء و اجداد کی تقلید کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سے بعض نے تو کچھ غلط فہمیوں کی بنا پر اور بعض نے اپنے حریفوں سے ضد و عناد کی وجہ سے اپنے مذاہب میں خاصی تبدیلیاں کرلی تھیں جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ دین حق کی روشنی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اہل مذاہب کی یہ حالت تھی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت و بعثت سے نوازے گئے اور آپ کے نعرۂ حق نے اعتقادات و اعمال سب میں ایک محیر العقول انقلاب

Marfat.com

بپاکر دیا نتیجۃً حق کے جویا لوگوں نے سرورِ کائنات علیہ الف الصلوات والتحیات کی دعوتِ حقہ پر لبیک کہی لیکن جن لوگوں کی طبیعتوں میں ضد وعناد اور ہٹ دھرمی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا گو ان کے اعتقادات میں بھی ایک لرزہ برپا ہو گیا تھا تاہم وہ اپنی غلط راہ کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوتے اور اپنی اس گمراہی کو چھپانے کے لئے طرح طرح کے حیلے حوالے تلاش کرنے لگے چنانچہ وہ لوگوں سے کہتے کہ یہ داعی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی نیا پیغام لیکر نہیں آیا۔ اسکی ساری باتیں ہماری جانی پہچانی ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد سے منقول چلی آتی ہیں۔ ہم اس کے پروگرام سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ مزید برآں اعتقادات و اعمال کی جو دولت ہمارے پاس ہے ویسی اس کے پاس نہیں اس موقعہ پر یہ سورہ نازل ہوئی ارشاد فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	
لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ	جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں نے

ضد وعناد کیوجہ سے آپکی نبوت کا انکار کیا ہے ان میں کچھ لوگ (مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ) یہود و نصاریٰ اور صابئین ہیں جو آپ کی شخصیت سے اچھی طرح واقف ہیں انہوں نے آپ کے

Marfat.com

دلائل سنے اور آپ کے معجزات دیکھے مگر باوجود اس کے نہ
ہی وہ راہِ حق پر آنے کو تیار ہوئے ورنہ مشرکین عرب۔
حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ جبتک کہ ان کے پاس کھلی دلیل
(نہ) آتی۔ "البیّنۃ" سے مراد وہ دلیل قطعی ہے جو مدّعا کو
بہ تمام و کمال ثابت کرتی ہو اور یہاں اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا وجود مسعود ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے
ہی ان کے عقائد کی دنیا میں کہرام مچ گیا تھا اور یہی سبب ہے کہ
وہ اپنی ضد و عناد کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام کے پیغام
میں کوئی انوکھا پن نہیں، یہ باتیں پہلے سے ہمیں معلوم ہیں اور اس
لائق ہی نہیں کہ کوئی دانشمند ان پر کان دھرے۔ یہی وجہ ہے کہ
"البینۃ" کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا (یعنی) خدا کے پیغمبر جو پاک اوراق
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً پڑھتے ہیں۔
"صحف" سے مراد صحفِ قرآنی ہیں اور انہیں مطہرہ اس لئے
کہا ہے کہ انمیں باطل کا کسی طرح کا کوئی شائبہ نہیں ہے "تلاوت
(یتلوا) سے مراد ان آیات کی تلاوت ہے جن پر قرآن حکیم مشتمل ہے
فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ جن میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں
"قیّمۃ" اس چیز کو کہتے ہیں جو پوری طرح سیدھی ہو اور اس میں
کوئی کجی نہ ہو۔ اور کتابوں کی استقامت سے مراد یہ ہوتا ہے

Marfat.com

کہ وہ کتابیں سرتا پا حق پر مشتمل ہیں اور باطل کی انہیں ہوا بھی نہیں لگی۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ کہا گیا۔

لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ — اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے اور یہ کتاب دانا (اور) خوبیوں والے خدا کی اتاری ہوئی ہے (حم السجدہ) اب سوچنا یہ ہے۔

کہ وہ کتب جو صحف قرآنی میں ہیں وہ کیا ہیں۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یا تو ان کتب سے مراد (سیدنا) موسیٰ و (سیدنا) عیسیٰ (علیہما السلام) کی کتب ہیں جن کے بعض اندراجات کا قرآن پاک میں حوالہ دیا گیا ہے یا ان کتب سے مراد قرآن حکیم کی سورتیں ہیں اس لئے کہ قرآن حکیم کی ہر سورۃ ایک کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال کر سکتا تھا کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا پیغام اس قدر واضح اور روشن تھا کہ آپ کے دشمن بھی اسے برحق سمجھتے تھے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس پر ایمان نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اہل کتاب اس پیغام کی حقانیت سے پوری طرح آگاہ تھے لیکن مختلف اغراض و مصالح کی وجہ سے وہ اس کی آواز پر لبیک نہ کہہ سکے۔ اور یہ "بینہ" اپنی افادیت تامہ کے باوجود ان کے لئے غیر مفید رہی۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ — اور اہل کتاب جو متفرق (و مختلف)

Marfat.com

اِلَّا مِنۡ بَعۡدِ مَا جَآءَ تۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ۔ ہوئے ہیں تو دلیل واضح آجانے کے بعد ہوئے ہیں)!

یعنی اُن کے انبیاء کی زبانی اُن تک واضح دلائل پہنچائے گئے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے اتحاد کی راہ چھوڑ کر تفرقہ و انتشار کی راہ پر چلنے کو ترجیح دی اور یہی طریق کار انہوں نے آنحضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بارے میں اختیار کیا۔

وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ۔ اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اور یکسو ہوکر خدا کی عبادت کریں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی سچا دین ہے!

"وَمَا اُمِرُوۡا" میں واؤ حالیہ ہے اور اُمِرُوۡا کا مطلب یہ ہے کہ شرائع و احکام اور اوامر و نواہی اُن تک پوری طرح پہنچ چکے تھے۔ الدِّیۡن سے مراد خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو پوری طرح جھکانا اور اس کے تمام اوامر و نواہی کا پابند ہونا ہے۔ اور اللہ کے لئے دین کو خالص کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور ہستی کو کسی معنی میں شریک قرار نہ دیا جائے۔

حُنَفَآءَ۔ حنیف کی جمع ہے اور حنیف اس شخص کو کہتے ہیں

Marfat.com

جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السّلام کا متبّع ہو۔ حنیف کا اصل معنے ہے "جھکنے والا" یا "دوسروں سے الگ راہ اختیار کرنے والا" اور چونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دور میں سارا معاشرہ بت پرست تھا اور آپ نے ان سب سے الگ توحید کی راہ اختیار کی تھی اس لئے انہیں حنیف کہتے ہیں۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوت و بعثت سے قبل چونکہ عام لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہیں لہٰذا وہ اپنے آپ کو حنفاء کہتے تھے۔ اقامۃ الصّلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے وقت معبود کی ہیبت دل میں موجود ہو اور ظاہر اعضا سے انکسار کا اظہار کیا جاتے۔ یہاں یہ نکتہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عموماً جن حرکات کو عوام نماز سے تعبیر کرتے ہیں وہ واقع میں نماز سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ اہل کتاب نے گروہ بندی کی راہ اختیار کی اور ہر گروہ نے دوسرے گروہ کو کافر مطلق قرار دیا یہ ان کے لئے اس لئے بھی زیبا نہیں تھا کہ عقائد صحیحہ کی دولت ان کے سامنے موجود تھی۔ ان سے کہا گیا تھا کہ راہنمائی براہِ راست اللہ کی کتاب سے حاصل کریں، آباء و اجداد کی تقلید کے جُوّے کو گردن سے اتار پھینکیں۔ ان کا فرض تھا کہ اللہ کے دین کی خدمت کو اپنا نصب العین قرار دیتے اور اپنی تمام الجھنوں کا حل اسی میں معلوم کرتے

Marfat.com

اب جیساکہ آپ دیکھ چکے ہیں کتاب اللہ نے اہل کتاب کی کتنی مذمت کی ہے آپ خود ہی بتائیں کہ مسلمانوں نے دین صحیح میں جو بدعات اور محدثات نکال لی ہیں ان کی وجہ سے قرآن حکیم خود ان کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ	جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب
الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ	اور مشرک وہ دوزخ کی آگ
جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا	میں پڑیں گے (اور) ہمیشہ
اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ	اسمیں رہیں گے۔ یہ لوگ سب

مخلوق سے بدتر ہیں۔

گذشتہ بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں اہل کفر سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے آنحضور علیہ السلام کی بعثت کے بعد آپ کی بعثت و رسالت کا انکار کیا۔ مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ میں مِنْ تبعیض کا ہے اور لَمْ یَکُوْنُوْا مُنْفَکِّیْنَ سے مراد یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے عقائد میں اُس وقت تک زلزلہ برپا نہیں ہوسکتا تھا اور حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو کر ان کے سامنے نہیں آسکتی تھی جب تک ان کے سامنے بیّنہ نہ آجاتے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد وہ لوگ ہوں جنہوں نے اللہ کے دین کا انکار کیا ہو۔ دلائل ہیں

Marfat.com

غور و فکر سے کام نہ لیا ہو یا بجائے غور و فکر کرنے کے اس سے بے توجہی اور غفلت اختیار کی ہو، عام اس سے کہ وہ مشرکین عرب ہوں یا اہل کتاب جو آگے چل کر دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔

تو گویا اللہ تعالیٰ کفارِ اہل کتاب و مشرکین ہیں سے ان لوگوں پر اپنے احسان کا ذکر فرماتے ہیں جو آگے چل کر دولتِ اسلام سے مالامال ہوتے۔

مطلب یہ ہوا کہ کفار و مشرکین کفر و شرک سے اس وقت تک باز نہیں آسکتے تھے جبتک کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے کفریہ عقائد کی پوری طرح سے قلعی نہ کھول دیں۔ ہماری رائے میں یہ تفسیر قرآن حکیم کے الفاظ سے قریب تر ہے۔ اس مقام پر دوسرے مفسرین نے جو ٹامک ٹوئیاں ماری ہیں وہ ہرگز قابل اعتنا نہیں "نارِ جہنم" سے مراد آخرت کا دارالعذاب ہے اس آگ کے بارے میں ہم ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کا ہمیں علم ہے کہ وہ آگ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ رہا یہ کہ اس کی حقیقت کیا ہے یہ لکڑی سے گرم ہوتی ہے یا کوئلے سے، زمین میں ہے یا آسمان میں ہم کچھ بحث نہیں کرتے اس لئے کہ ہماری محدود عقلیں اس کی حقیقت کو پا ہی نہیں سکتیں۔ خالدین فیھا کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس سے کبھی نہیں نکلیں گے اُولٰئِكَ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنہوں نے دلائل قائم ہونے اور حقیقت کے واضح ہو جانے کے

Marfat.com

بعد حق کا انکار کیا "ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ" اللہ کی تمام مخلوق میں یہ بدترین مخلوق ہیں اس لئے کہ حق کے جاننے اور حق کے دلائل قائم ہونے کے بعد جو شخص بھی حقیقت کا انکار کرتا ہے وہ واقع میں اپنے جسم وجان دونوں کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ" (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق کے دلائل کی روشنی پھیلی اور انہوں نے اس روشنی سے فائدہ اٹھا کر حق کی راہ اختیار کی "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" اعمال صالحہ کی قید اس لئے لگائی کہ انسان کا ایمان صحیح اسی بات کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کو حق قرار دے تو پھر اس کے تقاضوں کو پوری طرح سے محسوس کرے۔ اس کی راہ میں جان و مال غرض کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

اُولٰٓئِكَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ۔ یہ مؤمنین، صالحین اللہ کی مخلوقات میں سب سے برتر مخلوق ہے اس لئے کہ حق کے دلائل سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے وہ کارنامے انجام دئے جن سے صحیح انسانیت اور شرافت کی تعمیر ہوتی ہے۔

جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ان کا صلہ ان کے پروردگار

Marfat.com

جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ ۔

کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ابدالآباد ان میں رہیں گے خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش یہ (صلہ) اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا۔

"جنّٰت" کا معنی ہے باغات اور عدن کا معنی اقامۃ۔ الانہار نہر کی جمع ہے۔ یہاں جنّٰت عدن سے مراد اخروی زندگی کا "دار النعیم" ہے۔ نار جہنم کی طرح جنّٰت عدن کے بارے میں بھی ہم ایمان رکھتے ہیں نیز اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں کی ہر نعمت دنیا کی نعمتوں کے مقابلے میں زیادہ لذیذ اور زیادہ مسرّت بخش ہے رہا یہ کہ اس کی فی الواقع حقیقت کیا ہے تو نہ ہمیں اس کا علم ہے نہ ہو سکتا ہے۔

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اللہ ان سے راضی ہے اس لیے کہ انہوں نے حدود شرعیہ سے تجاوز نہیں کیا۔

وَرَضُوۡا عَنۡهُ اور وہ اللہ سے راضی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو حسن سلوک ان سے کیا ہے وہ اس سے پوری طرح مطمئن ہیں۔

Marfat.com

ذَالِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا۔ یعنی یہ عمدہ صلہ اور اچھی جزا ان لوگوں کے لیے ہے جن کے دلوں میں خوف خدا پوری طرح سے جاگزین ہے۔ آیۃ کے اس ٹکڑے سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا پوری طرح سے ازالہ ہو جانا چاہیئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے مذہب کے بارے میں اپنے والدین کی تقلید کرنے اور نماز و روزہ کے ظواہر سے چمٹے رہنے سے اسلام کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں حاشا و کلاّ ایسا نہیں بلکہ مذہب کے بارے میں ضروری ہے کہ اسے سوچ سمجھ کر اختیار کیا جائے اور عبادت کے ساتھ اخلاق و معاملات کی پوری درستی کی جانب توجہ دی جائے۔

Marfat.com

سورۃ الزلزال

سورۃ زلزال مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔ اس سورت کا نام الزلزال یا الزلزلہ ہے۔ اس میں دو چیزوں کا خاص طور پر بیان ہے ترہیب اور ترغیب۔ منقول ہے کہ بعض لوگ چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ معمولی سی نیکی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور اللہ کے ہاں اس کیلئے کوئی جزا نہیں ہے اسیطرح چھوٹے چھوٹے گناہ قابل ملامت نہیں اسی وہم کو دور کرنے کیلیے یہ سورۃ نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کا کوئی سا عمل کیوں نہ ہو اللہ کے ہاں اس کا اعتبار ہے۔ اور اس کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو بڑی سختی سے ہلا دیا جائے گا قرآن حکیم میں دوسری جگہ اسی بارے میں کہا گیا ہے یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہوگا (الحج)

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا اور زمین اپنے (اندر کے) بوجھ نکال ڈالے گی۔ یعنی زور سے ہلنے کیوجہ سے زمین پھٹ جائے گی اور اس میں جو چیزیں مدفون ہیں وہ باہر نکل آئیں گی۔ غالباً یہ ایک اسی طرح کا حادثہ ہوگا جسطرح آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کی

Marfat.com

وجہ سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ

اور جب زمین ہموار کردیجائیگی اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی اور (بالکل) خالی ہو جائیگی ۔ الانشقاق)

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا اور انسان کہے گا اسکو کیا ہو گیا ہے؟

یعنی جو لوگ زمین کے ان زلزلوں کا مشاہدہ کریں گے وہ حیران ہو کر دریافت کریں گے کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے ۔ اس حیرانی کا سبب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی طویل زندگی میں کئی بھونچال کیوں نہ دیکھے ہوں لیکن اس نوعیت کا کوئی بھونچال نہ دیکھا ہو گا ۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا اس روز وہ اپنے حالات بیان کردیگی ۔

يَوْمَئِذٍ اِذَا سے بدل ہے یعنی زلزلہ کے وقت زمین اپنے سارے احوال بیان کرے گی ۔ یہاں یہ بات خاص کر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ زمین کا گفتگو کرنا بنا بر تمثیل ہے ۔ طَبری اور بعض اکابر مفسرین سے یہی منقول ہے ۔ مطلب یہ کہ زمین میں اس موقعہ پر جو انقلابات ہوں گے وہ مشاہدہ کرنے والے کو بتادیں گے کہ زمین کی آبادی کے وقت زمین کے بارے میں اللہ کا جو طریقہ رہا ہے وہ اب یکسر بدل گیا ہے

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم

Marfat.com

بھیجا ہوگا) یا سببیّہ ہے اور اَوْحیٰ لَہٗ، اَوْحیٰ اِلَیہِ، وَحیٰ لَہٗ وَحیٰ اِلَیْہِ سب کا ایک معنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین میں جو انقلابات رونما ہوں گے وہ امرِالٰہی سے ہوں گے جس طرح زمین کی ایجاد کے وقت خداتعالیٰ نے اس سے کہا تھا کُوْنِیْ اَرْضًا اسی طرح اسے برباد کرتے وقت کہے گا "کُوْنِیْ خَرَابًا" گویا یہ سب کچھ اللہ کے امرِتکوینی سے ہوگا۔ امرِتکوینی سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں اللہ کہے کُنْ اور وہ وجود میں آجائے۔

جو کچھ بیان کیا گیا اُس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب بعض اسباب کی وجہ سے زمین کا نظام درہم برہم ہوجائے گا اور اس خاص حالت کو وحیٰ سے تعبیر کرنے کا راز یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے وقت سے لیکر زمین کی تخریب کے وقت تک اس قسم کے زلزلوں کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہوگا۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ — اس دن لوگ گروہ گروہ ہوکر
اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ — آئیں گے تاکہ انکے اعمال دکھا دیے جائیں۔

یعنی جس دن یہ انقلابات برپا ہوں گے لوگ گروہ در گروہ ہوکر میدانِ حشر کی جانب چلیں گے تاکہ زندگی میں انہوں نے جو اعمال کیے ہوں اُن کی جزا و سزا حاصل کرسکیں۔

Marfat.com

اختلافِ قرأت :- ایک اور قراءت میں صیغہ معروف لِیَرَوْا آیا ہے جس کا معنٰے ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے اعمال کا مشاہدہ کرلیں اور ان کے مطابق جزا و سزا پالیں۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ - تو جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

ذَرَّۃٌ، چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں جو چھوٹے ہوتے ہیں مثل ہے بعض لوگوں کی رائے میں ذرّہ غبار کے اس جزء کو کہتے ہیں جو روشندان سے سورج کی روشنی کے آنے کے وقت دکھائی دیتے ہیں "مثقال ذرّہ" سے مراد ذرّے کا وزن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کیوں نہ کرے لامحالہ اس کی جزا اسے ملیگی۔ اس بارے میں مومن اور کافر دونوں برابر ہیں البتہ کفار کی نیکیاں قیامت میں اس معنی میں ان کے لئے مفید نہیں ہوسکتیں کہ کفر کے عذاب سے انہیں چھڑالیں کفر کیوجہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ قرآن حکیم کی جن آیات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کفار کی نیکیاں اکارت جائیں گی اور کسی معنی میں ان کے لئے مفید نہ ہوں گی اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان کا کوئی عمل عذاب کفر سے انہیں نجات نہیں دلاسکتا البتہ دنیا میں جو نیکیاں انہوں نے کی ہوں گی وہ ان کے عذاب کو ان سے ہلکا کردیں گی قرآن میں وارد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ (الی المستقیم)

Marfat.com

لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کیجائیگی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو اسے ہم لاحاضر کریں گے ۔ الانبیاء ۔

"فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا" اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ کافر اور مومن کے ساتھ اس بارے میں یکساں سلوک کیا جائے گا اور کوئی عمل ایسا نہیں ہوگا جس کی جزا قیامت میں نہ ملے ۔ حاتم طائی کے بارے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سخاوت کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کیجائیگی اور ابو لہب کے بارے میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت کیوجہ سے اسے جو خوشی ہوئی تھی اس کے سبب ابو لہب کے عذاب میں بھی تخفیف کی جائیگی ۔ یہ جو بعض لوگوں سے منقول ہے کہ کافر کے لئے آخرت میں کوئی نیکی مفید نہیں ہوگی اور اس کے عذاب میں کسی طرح کی تخفیف نہیں کی جائے گی یہ ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی اصل نہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علما کے پاس اجماع نام کا ایک ہتھیار ہے جس سے وہ جاہل اور احمق لوگوں کو بے دریغ قتل کرتے ہیں (نوٹ) لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (الآیۃ) کا معنی یہ ہے کہ عذاب کفر میں کمی نہیں ہوگی اور حاتم طائی اور ابی لہب کے تخفیف عذاب کا معنے یہ ہے کہ ان کے عذاب میں کچھ نرمی برتی جائے گی یعنی رقیق

Marfat.com

عذاب کی صورت میں نہیں بلکہ تخفیف عذاب کی صورت میں۔ ——

مطلب یہ ہے کہ وہ کافر جس نے نیکی بھی کی ہوگی اس کا عذاب جس نے نیکی نہیں کی ہوگی اور مرا بھی کفر پر ہوگا اس کی نسبت کم ہوگا نیکی نہ کرنے والے کفار کا عذاب زیادہ سخت ہوگا۔ (مترجم)

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا۔ یعنی مسلمان اور کافر میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں اگر کبھی مسلمان نے کوئی برائی کی تھی اور اس پر توبہ وندامت سے کام نہیں لیا تھا تو ایسے مسلمان کو بھی اس کی بدی کی سزا ملیگی۔

Marfat.com

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ

سورہ عادیات مکّی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا — اُن سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم ؛ جو ہانپ اٹھتے ہیں۔

عادیات، عادیہ کی جمع ہے جو عَدُوٌ سے مشتق ہے عَدُوٌ کا معنے ہے دوڑنا ضَبْح (گھوڑے کا) ہانپنا۔ آیت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اُن گھوڑوں کی قسم کھائی ہے جو بہت تیز دوڑتے اور ہانپتے ہیں

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا — پھر (پتھروں پر نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں۔ **مُوْرِيَاتْ**، موریۃ کی جمع ہے جو ایراء سے فاعل کا صیغہ ہے۔ ایراء کا معنی ہے چقماق وغیرہ سے آگ نکالنا۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں تیز دوڑنے والے گھوڑوں کا ایک وصف یہاں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ جب اُن گھوڑوں کے سُم پتھروں پر پڑتے ہیں تو ان سے آگ نکلتی ہے

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا — پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں۔

مُغِیراتْ، مُغیرۃ کی جمع ہے۔ جب کوئی شخص دوسرے پر قتل کرنے یا اُسے قید کرنے کی غرض سے حملہ کرے اس موقعہ پر کہتے ہیں اَغَارَ عَلَى الْعَدُوِّ. یہ بھی گھوڑوں کا وصف ہے اس اعتبار سے کہ گھوڑوں کو اسی خاطر دوڑایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھوڑے تیز دوڑتے ہیں اور اپنے سُموں سے پتھروں پر سے چنگاریاں نکالتے ہیں صبح کے

Marfat.com

وقت دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا پھر اس میں گرد اٹھاتے ہیں؛

اَثَرْنَ اِثَارَۃ سے جس کا معنی تحریکِ غبار ہے۔ نقع خود غبار کو کہتے ہیں فَاَثَرْنَ بہ کا یہ فعل المغیرات پر معطوف ہے اس لئے کہ المغیرات بھی فعل کے معنی میں ہے گویا تقدیر عبارت یوں ہوگی فَاللاَّتی اغرن صُبحًا فاثرن فی وقت الصّبح غبارًا

فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ یعنی دشمن کی صفوں میں گھس کر انہیں تتّر بتّر کرتے ہیں گھوڑوں کے یہ مختلف اوصاف اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ مسلمانوں کو بتایا جا سکے کہ دفاعِ دشمن کیلئے یہ جانور کتنی اہمیّت رکھتا ہے تاکہ وہ گھوڑے پالنے اور ان کی سواری سیکھنے میں پوری دلچسپی کا مظاہرہ کریں۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّاللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ۔ اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیّت کے زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری ہیبت بیٹھی رہیگی (الانفال)

گھوڑے کی تعریف میں اس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مدّعیانِ دین کیلئے حد درجہ لازم ہے کہ وہ گھوڑے کی سواری سیکھیں۔ کتنے تعجب

Marfat.com

کی بات ہے کہ وہ جانور جسے کتاب وسنت میں اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اس کی سواری کو ہمارے زمانے میں معیوب سمجھا جاتا ہے بالخصوص علماجو دوسروں کو جہاد کا سامان تیار کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں خود گھوڑے کی سواری تک نہیں جانتے۔ ایک مرتبہ ایک بہت بڑے عالم دین سے جب اس طرح کا تذکرہ ہوا تو اس نے بڑی حیرت سے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ "ہم لوگ دینی علوم حاصل کرنے والوں کو کتابیں پڑھانے کے ساتھ گھوڑوں کی سواری بھی سکھائیں" جب یہ علماء اپنا مقام اور منصب بیان کرنے پر آتے ہیں تو کہتے ہیں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ جس طبقے کے اعمال اور عقائد یہ ہوں کیا وہ واقع میں انبیاء کے وارث ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے یہ صفات اس خاطر بیان کیے ہیں تاکہ اس کے بعد آنے والی اطلاع کو پختہ کیا جا سکے یعنی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس (اور ناشکرا ہے)۔ کَنُوْد ناشکرے کو کہتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْكَنُوْدُ الَّذِیْ یَاْكُلُ وَحْدَهٗ وَیَضْرِبُ عَبْدَهٗ وَیَمْنَعُ رِفْدَهٗ۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعام اس شخص پر کیا ہے وہ اس میں دوسروں کو اپنے

Marfat.com

ساتھ شریک کرنا نہیں چاہتا اللہ کریم نے تو اس پر مہربانی کی مگر یہ اپنے ابنائے جنس کیساتھ نامہربانی کا سلوک کرتا ہے اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکرگذار نہیں۔ آیت کے اس حصے کا معنے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان کا یہ حال ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ عام طور پر انسانوں کا یہی حال ہے۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے یعنی اپنی ناشکری پر اور اللہ کی دی ہوئی نعمت کے کفران پر خود گواہی دیتا ہے جب وہ اپنی سنگدلی پر فخر کرتا ہے اور دولت و ثروت کے بارے میں بخل کو ایک ہنر قرار دیتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے۔ خیر سے مراد مال و دولت ہے جسطرح قرآن حکیم میں دوسری جگہ فرمایا كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَاۨ الْوَصِيَّةُ تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو وصیت کر جائے (البقرہ) اس آیت میں بھی خیر سے مال مراد ہے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی لفظ خیر آیا ہے اس سے دولت ہی مراد ہے۔

لیکن یہ درست نہیں۔

شدید سے مراد قوی ہے عرب کہتے ہیں هُوَ شَدِيْدٌ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ

Marfat.com

وَفَوِیٌّ لَہٗ۔ یہ اس موقع پر کہتے ہیں جب کوئی شخص پوری طرح کوئی کام انجام دے سکتا ہو اور اس کے نشیب و فراز سے پوری طرح آشنا ہو۔ یہاں حب سے مراد کسب ہے اس لئے کہ کسی کام کو کرتے یا کسی کوشش کو انجام دینے کا سب سے بڑا باعث اس کام کی محبت ہوتی ہے۔

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جو (مردے) قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لیے جائیں گے اور جو (بھید) دلوں میں ہیں وہ ظاہر کر دیے جائیں گے۔ سینوں کے راز افشا کر دینا بایں معنے کہ راز کو چھپانے کے لئے انسان کوئی تدبیر نہ کر سکے۔

اَفَلَا یَعۡلَمُ میں یَعۡلَمُ کا مفعول اس لئے حذف کیا گیا ہے کہ انسان غور و فکر سے کام لے اور سوچے کہ یہاں مفعول کیا ہو سکتا ہے کیونکہ اگر صراحت سے اس کا ذکر کیا جاتا تو بعید نہ تھا کہ انسان اس کی جانب توجہ اور التفات ہی نہ کرتا لیکن جب حذف کر دیا گیا تو انسان یقیناً کوشش کرے گا کہ اس کا مفعول تلاش کرے تاکہ آیت کا معنی درست ہو سکے اور پھر بعثر ما فی القبور اور تحصیل ما فی الصدور اس مفعول محذوف کے لیے قرینہ ہیں۔ گویا آیت کا مفہوم یہ ہے۔

اَفَلَا یَعۡلَمُ الۡکَنُوۡدُ الۡحَرِیۡصُ مَا یَکُوۡنُ حَالُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الۡاُخۡرٰی یَوۡمَ تُکۡشَفُ السَّرَائِرُ اَفَلَا یَعۡلَمُ ظُہُوۡرَ مَا کَانَ یَخۡفٰی مِنۡ قَسۡوَۃِ

Marfat.com

وَتحَصِّلَ افَلَا يَعْلَمُ اَنَّهُ سَيُحَاسِبُ عَلَيْهِ اَفَلَا يَعْلَم اَنَّهُ
سَيُوَفِّیْ جَزَاءَ مَا كَفَرَ نِعْمَةَ رَبِّهِ اِنَّ رَبَّهُم ....
اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيْرٌ ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس قیامت کے دن ہر بات کی پوری پوری اطلاع ہو گی۔

بلا شبہ آج بھی اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری پوری اطلاع ہے۔ لیکن انسانوں کی جزا و سزا سے اُن کی اطلاع (اُن کے بارے میں) کنایہ کیا گیا ہے جیسے آپ کسی شخص کو دھمکی دیتے ہوئے کہتے ہیں سَاُعَرِّفُ لَكَ عَمَلَكَ هٰذَا (میں تمہیں تمہارا یہ کام بتاؤں گا)۔ حالانکہ جب آپ یہ کہہ رہے ہیں اس وقت بھی آپ اس عمل سے واقف ہیں اسی طرح قیامت کے دن انسانی اعمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطلاع کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو اپنے علم و اطلاع کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

Marfat.com

سورۃ القارعۃ

سورہ قارعہ مکّی ہے اور اسمیں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْقَارِعَۃُ — کھڑکھڑانے والی!

قارعۃ، قیامت کا ایسا ہی نام ہے جیسے الحاقہ۔ القآخہ، الطّآمہ اور الغاشیہ، قرآن ہی میں قیامت کے مختلف نام ہیں۔ اسے القارعۃ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ قرع کے معنی کھٹکھٹانے اور ڈرانے کے ہیں اور چونکہ قیامت بھی دلوں کیلیے بیحد ہولناکی کا سبب بنے گی لہذا اسے بھی القارعۃ کہا گیا۔

مَا الْقَارِعَۃُ — کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟

یہ قیامت کی حقیقت کے بارے میں سوال ہے اور مقصود اس کا قیامت کی ہولناکی بیان کرنا ہے۔ یعنی قیامت کی شدّت اور پریشانی اس قدر ہوگی کہ تمام انسان حیران و سرگردان ہو جائیں گے اور اور وہ قیامت کا تصوّر بھی نہ کر سکیں گے۔

وَمَا اَدْرٰىکَ مَا الْقَارِعَۃُ — اور تم کیا جانو کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ یعنی کونسی چیز ایسی ہے جو تمہیں قیامت کے بارے میں پوری بصیرت دلائے۔ اس فقرے سے قیامت کی مزید ہولناکی بتانا مقصود ہے۔

یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ — (وہ قیامت ہے) جس دن لوگ

Marfat.com

ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے؛

الفراش کا واحد فراشۃ ہے اور اس کا معنی ہے پتنگے جو اپنی حماقت اور جہالت میں مثل ہیں۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ قیامت کی دہشت کی وجہ سے انسانی عقلیں حیران وسرگردان ہوں گی اور کچھ فیصلہ نہ کر سکیں گی کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے انہیں کچھ علم نہ ہوگا کہ اب ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائیگا۔ اسی مفہوم کی دوسری آیت میں۔ کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ۔ (گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہوں) فرمایا ہے۔

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ اون؛ "عِہن منفوش" سے مراد وہ اون ہے جسے آپ اپنے ہاتھ سے یا کسی اور آلے کی مدد سے ایک دوسرے سے چھانٹ لیں، ظاہر ہے کہ جب اس کا تار تار الگ ہو جائے گا تو ہوا کا ایک معمولی سا جھونکا بھی اسے اڑانے کے لئے کافی ہوگا۔ قیامت کے دن پہاڑوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ ان کے تمام اجزاء اُون کے اُن تاروں کی طرح الگ الگ ہو کر اڑ جائیں گے اور یہیں سے قیامت کا دن شروع ہوگا۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ تو جس کے (اعمال کے) وزن فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ بھاری نکلیں گے وہ دلپسند عیش میں ہوگا؛ عرب کہتے ہیں ثَقُلَ مِیْزَانُكَ اور اس کا مطلب

Marfat.com

یہ ہوتا ہے کہ تم بڑی قدر و قیمت رکھتے ہو۔ گویا جب تمہیں ترازو کے ایک پلڑے میں بٹھایا گیا تو تمہارا پلڑا دوسرے پلڑے سے بھاری رہا اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ فی الحقیقت قدر و قیمت انہی لوگوں کی ہو سکتی ہے جن کے پاس اعمالِ صالحہ کی پونجی موجود ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قیامت میں دائمی نعمتوں سے سرفراز کیا جائیگا بلاشبہ ان کی زندگی بڑی خوشگوار زندگی ہوگی اور بجا طور پر اسے "عیشۃ راضیۃ" سے تعبیر کیا جا سکے گا۔

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ اس کا مرجع ہاویہ ہے

کہتے ہیں "خفّ میزانک" اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے سَقَطَتْ قیمتک (تمہاری قدر کم ہو گئی) اور جب قدر و قیمت کم ہو گئی تو تمہاری حقیقت باقی نہ رہی۔ گویا اگر تمہیں ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے تو مقابل کا پلڑا بھاری ہوگا۔ جو شخص اس دنیوی زندگی میں شریر و بیہودہ ہوگا۔ ظاہر ہے وہ قول و عمل میں اس اونچے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جو مقام مخلصین کیلیے مخصوص ہے جس شخص نے اپنی عقل کو صحیح راہ پر نہیں لگایا اور قلب و دماغ کو برے اخلاق سے پاک نہیں کیا فی الحقیقت وہ زندوں میں شمار ہونیکے لائق نہیں اور جب دنیا میں یہ حال ہے تو آخرت میں اس کا حال اس سے بھی بدتر ہونا چاہیے جب دنیا میں اس کی کوئی

Marfat.com

قدر وقیمت نہیں تو آخرت میں اس کی قدر وقیمت کیا ہو سکتی ہے اسی مفہوم کو دوسری جگہ یوں تعبیر کیا گیا۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔ الکہف) انہی اسباب کی وجہ سے ثقل اور خفت کی کی نسبت موازین کی طرف درست ہو گئی لیکن اگر وہ معنی لیے جائیں جو عام مفسرین نے کیے ہیں تو میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ عبارت ان معانی کی متحمل ہو سکتی کیونکہ اگر وہ معانی مراد ہوتے جو عام مفسرین نے بیان کیے ہیں تو پھر عبارت یوں ہوتی مَنْ رَجَحَتْ کُفَّةُ اَعْمَالِهٖ وَخَفَّتْ اور اس طور پر اس میں بہت زیادہ تاویل کرنا پڑیگی۔ رہا یہ معاملہ کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کی کیا صورت ہو گی تو اس کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے ہمارا فرض ہے کہ اس پر ایمان لائیں اور اسکی کیفیت سے بحث نہ کریں آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ بعض مفسرین نے میزان قیامت کے بارے میں کہا ہے کہ "اسے پکڑنے کیلئے مٹھا بھی ہو گا اس کے دونوں پلڑے زمین و آسمان کے برابر چوڑے ہوں گے اور اس کی ماہیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

جب اس ترازو کے مٹھے اور پلڑوں تک کو بیان کر دیا گیا تو وہ کونسی حقیقت اور ماہیت باقی رہ جاتی ہے جس کا علم مفسرین

Marfat.com

اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت بڑی جرأت ہے کیونکہ ترازو کے بارے میں جو اوصاف مفسرین نے بیان کیے ہیں ان کے متعلق کوئی نصّ صریح موجود نہیں۔ کتاب اللہ میں صرف میزان کا کلمہ استعمال ہوا ہے اور اس سے جتنا کچھ ہم سمجھ سکتے ہیں اور جتنا کچھ ہمارے اعتقاد کیلئے ضروری ہے وہ ہمیں اسی لفظ سے حاصل ہو جاتا ہے جہانتک اس کی کیفیت کا تعلق ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں پھر مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ میزان کا منکر کافر نہیں ہے۔ اس دور میں خود انسانوں نے ایسے عمدہ میزان تیار کرلیے ہیں جن کے مقابل پرانا ترازو ایک مذاق معلوم ہوتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کی حکیم و خبیر ذات اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ وہ ترقی یافتہ میزان استعمال کرے اور کیا اسے اسی ترازو پر ہی اصرار ہے جو آج سے ہزاروں برس پہلے وجود میں آیا تھا؟

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ یعنی اس کا ٹھکانا جس کی طرف وہ واپس جائیگا جیسے ایک بچہ اپنی ماں کے پاس واپس جاتا ہے وہ ہاویہ ہوگا۔ ایک گہرا گڑھا جسمیں یہ سب لوگ گریں گے اسے ہاویہ بطور مجاز عقلی کے کہا گیا جیسے پہلے کہا تھا عیشۃٍ راضیۃٍ

وَمَا اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ؕ اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟

نَارٌ حَامِيَةٌ ؕ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے

(اَعَاذَنَا اللہ منہا۔ مترجم)

Marfat.com

سُورَةُ التکاثر

سورۃ تکاثر مکی ہے اور اس آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ (لوگو) تمہیں (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ اَلْھَاءُ کا معنی ہے شغلہ یعنی انسان جس کام میں لگا ہوا ہے اُسی میں مگن رہے اور ماسواہ کیطرف بالکل دھیان نہ دے۔ تکاثر کا معنی ہے کثرت پر فخر کرنا مثلاً لوگ ایک دوسرے سے کہیں اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ وَلَدًا، اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ رِجَالَ حَرْبٍ وَضَرْبٍ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ باہمی تفاخر اور کثرت اعوان و انصار نے تمہیں غافل بنا دیا ہے اور تمہیں صحیح کاموں میں دلچسپی لینے سے باز رکھا ہے

حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ یہانتک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ یعنی تم برابر غافل رہے حتیٰ کہ تم مر گئے اور تمہارا شمار اہل قبور میں ہونے لگا۔ تمہاری غفلت کی یہ کیفیت رہی اور اس کے باوجود تم سمجھتے ہو کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو

کَلَّا دیکھو اس گمان باطل سے باز رہو اس لیے کہ یہ تکاثر کسی کامیابی کی دلیل نہیں۔ اصل کامیابی حق کے بارے میں باہمی نصرت و اعانت ہے

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تمہیں عنقریب (اپنا ٹھکانا) معلوم ہو جائے گا

Marfat.com

چونکہ لہو و لعب کا انجام ایک مدت کے بعد سامنے آتا ہے اس لیے سَوْفَ سے تعبیر کیا لیکن چونکہ غفلت شدید ہے اور لہو و لعب کا جذبہ رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے جس کی وجہ سے دل پر ایک دبیز حجاب پڑ گیا اس لیے اسی خبر کو مزید تاکید کیساتھ پھر دہراتے ہوئے فرمایا۔
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا
باوجود اس کے کہ تاکیدی جملے باہم حروفِ عطف سے ملائے نہیں جاتے مگر یہاں پہلے جملے کی تاکید کے بعد "ثُمَّ" حرفِ عطف لایا گیا ہے تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ آئندہ کوئی نئی خبر ہے جو پہلی خبر کے بعد لائی گئی ہے

کبھی تکاثر کا معنی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں کثرتِ مال یا کثرتِ رجال میں غلبہ پایا جائے۔ اس صورت میں ساری محنت اور کوشش صرف دوسرے پر غلبہ پانے کی خاطر ہوتی ہے اور ایسی کوشش کرنے والا ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے کہ وہ اپنے زر و مال یا اپنے دست و بازو میں دوسرے پر کسطرح غلبہ پائے۔ مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں وہ سب سے بڑا آدمی سمجھا جائے فضائل اخلاق سے ایسے شخص کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ دولت اور مال کو جمع کرتا ہے کچھ محنت اس میں صرف ہوتی ہے اور کچھ اس جمع شدہ مال و دولت کی حفاظت میں۔ یہ معانی فی الحقیقہ بہت عمدہ ہیں اور کئی مفسرین نے بیان کیے ہیں۔

Marfat.com

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ دیکھو، اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین رکھتے تو غفلت نہ کرتے) یعنے جس فریب میں تم مبتلا ہو اُس سے نکلنے کی کوشش کرو۔ اس لیئے کہ جس بات کو تم علم کا نام دیتے ہو وہ دراصل علم نہیں ہے وہ محض اٹکل کی باتیں ہیں۔ جس چیز کو واقع میں علم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے وہ علم الیقین ہے اور یقین اُس اعتقاد کو کہتے ہیں جو مطابق واقع ہو لہذا اگر تمہیں علم ہوتا تو تم اس تکاثر کے پیچھے پڑجانے کی بجائے ایسے امور میں دلچسپی لیتے جس سے تمہارے ظاہر و باطن کی تطہیر ہوتی۔ لَوْ تَعْلَمُوْنَ میں لَوْ کا جواب محذوف ہے اور اس خاطر محذوف ہے تاکہ مخاطب کی عقل خود تلاش کرے کہ اس شرط کی جزاء کیا ہوسکتی ہے اس کے بعد بعض اُن امور کو بیان کیا جن تک اس دنیا کا لہو و لعب پہنچاتا ہے یعنے دنیا کی رسوائی کے بعد عذاب۔ اگر آخرت کے بارے میں پورا یقین حاصل ہوتا تو انسانی نفس اُن امور کا ارتکاب ہرگز نہ کرتا جن پر اللہ تعالےٰ نے عذاب کی دھمکی دی ہے۔ فرمایا۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے،

یعنی وہ دار العذاب، جس کا تصور نہ کرنا تمہیں اس دنیا میں لہو ولعب سے نہیں روکتا اُسے بہرحال آنا ہے اور تم خود اُسے اِنہی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔ لہذا بہتر اور مناسب یہ ہے کہ عذابِ آخرت کا تصور اسی دنیا میں اپنے دماغوں میں پختہ رکھو تاکہ اُس بدعملی سے

Marfat.com

اجتناب کرسکو جس کے بدلے میں قیامت کا عذاب یقینی ہے
چونکہ بے شمار لوگ آخرت کی جزاو سزا پر یقین رکھنے کے باوجود ، بُرے اعمال سے باز نہیں رہتے اور اس خوش گوار تخیل میں مگن رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ خاص سے اُنہیں معاف کردے گا اور دوزخ کی ہوا بھی اُنہیں نہ لگنے دے گا سبب ایسے گمان کا یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک ایسے دینِ صحیح سے نسبت رکھتے ہیں جس کا کوئی پیروکار دوزخ میں نہیں جا سکتا وُہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں مگر احکامِ قرآن کی خلاف ورزی کرتے ہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کے سے اعمال کرتے ہیں اس طرح کے خیالات عام طور پر پائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خبر کی تاکید اور تکرار کے ساتھ اُن خیالات کی تردید کیگئی اور فرمایا

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ پھر اُسے (ایسا) دیکھو گے (کہ) عین الیقین (آجائیگا) ۔ یعنی قیامت اس واضح انداز میں تمہارے سامنے آئے گی کہ تمہیں یقین کیے بغیر کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے گا روزمرّہ کے مشاہدات کو بھی عین الیقین کہتے ہیں اس لیے کہ تمام علومِ یقینیّہ اِنہی پر آکر ختم ہوتے ہیں کیونکہ علمِ بُرہانی اگر علمِ مشاہدات تک نہیں پہنچاتا تو علم الیقین کہلانے کا وُہ کسی طور مستحق نہیں اور اور رؤیۂ جحیم کو عذاب چکھنے سے کنایہ کیا ہے ۔

Marfat.com

جو لوگ باہم فخر و مباہات سے کام لیتے ہیں وہ لازماً عذاب دوزخ کا شکار ہوں گے عام اس سے کہ وہ کس دین سے تعلق رکھتے ہیں یا کس شخص کے دامن سے وابستہ ہیں لہٰذا ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ تقویٰ کی زندگی بسر کریں اور ان اعمالِ بد سے بچیں جو عذاب الیم کا موجب ہوں نیز اللہ کا جو انعام اُن پر ہے اُسمیں دین کے تقاضوں کو محسوس کریں اور دہر قوۃ انکے مصارف میں صرف کریں جنمیں اللہ تعالیٰ نے صرف کرنے کا حکم دیا ہے

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ پھر اُس روز تم سے (شکرِ) نعمت کے بارے میں پرسش ہو گی (یعنی دنیا میں جو عیش کیے تھے سب کا حساب لیا جائے گا ۱۲ (موضح)

وہ نعمتیں جنہیں تم موجب فخر سمجھتے ہو قیامت میں اُن کے بارے میں تم سے ضرور یہ سوال کیا جائے کہ انہیں تم نے کن مصارف میں لگایا، کیا اللہ کے حق کی بھی اُنمیں رعایت کی یا نہیں؟ اگر اللہ کے حقوق ادا نہیں کیے گئے اور احکام شرعیہ کی پابندی نہیں کی گئی تو یہی دنیوی نعمتیں آخرت میں بدبختی کا سبب بنیں گی ۔ یہاں ابھی ایک اہم بات بیان کرنا باقی ہے وہ یہ کہ جب اس آیت میں خطاب زندوں سے ہے تو پھر زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ میں صیغۂ ماضی کیوں استعمال کیا گیا حالانکہ زندہ لوگ ابھی پہنچے ہی نہیں ۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے جو ابومسلم نے دیا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کیطرف سے خطاب

Marfat.com

انسانوں کو ہے اور آخرت میں ایسا ہوگا لیکن یہ جواب اس لئے درست
نہیں کہ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ اس سے اباء کرتا (مانع) ہے
دوسرا جواب وہ ہے جو ابومسلم کے سوا دوسرے مفسرین نے دیا ہے
وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی جو
اپنے زندوں کی کثرت پر فخر کرتے تھے جب ایک قبیلہ تعداد میں دوسرے
پر بازی لے جاتا تو شکست خوردہ قبیلہ قبرستان کی طرف جاتا اور وہاں
جاکر اپنے مردہ رجال کو گن کر ان پر فخر کرتا ——— میرے خیال میں تکاثر
(باہم فخر کرنا) رجال کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مال و دولت کو بھی شامل
ہے لہذا معنے بھی عام ہونا چاہیے۔ مفسرین کو جو یہاں حیرت ہوئی ہے
واقع میں نہ ہونا چاہیے تھی کیونکہ قرآن حکیم کا ایک عام دستور ہے کہ جب
کوئی شخص ایک غائب شخص کے نقشِ قدم پر چلتا ہے تو اس کی جانب بھی
وہی کچھ منسوب کر دیا جاتا ہے جو غائب کی طرف منسوب تھا مثلاً
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد باسعادت میں یہود سے خطاب
کرتے ہوئے کہا گیا وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
الْعَذَابِ۔ اور جب ہم نے تمہیں قوم فرعون سے نجات دی جو تمہیں
بڑا دکھ دیتے تھے۔ اور آگے چل کر کہا گیا ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ۔
(پھر تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا) حالانکہ مخاطبین یہود وہ نہ تھے جن سے
یہ غلطیاں ہوئی تھیں۔ یا فرض کیجیے آپ خود ظالم لوگوں سے خطاب
کرتے ہوئے کہیں لَا زِلْتُمْ تَظْلِمُوْنَ النَّاسَ حَتّٰی اَكَلَكُمُ الظُّلْمُ

Marfat.com

فَفَتَنْتُمُ وَارَاحَ اللّٰہُ النَّاسَ مِنْکُمْ۔

ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ آپ اُن لوگوں سے کہیں جن کے آبا و اجداد نے ظلم کا بازار گرم کیا تھا یہ بھی ایک اسلوبِ بیان ہے اور مقصود اس سے یہ ہے کہ سوسائٹی کا کوئی رکن بُرا نہ ہونے پائے ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک رکن کی بدعملی کا زہر پورے معاشرے میں سرایت کر جائیگا۔

سورۃ والعصر

سورہ عصر مکی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ — عصر کی قسم ؎

ؔ عصر سے مراد وہ زمانہ ہے جو انسانوں کی حرکات کے لیے بمنزلہ ظرف ہے یعنی الدّھر اور ؎ عصر سے مراد وہ وقت مخصوص بھی ہوسکتا ہے جو ظہر اور مغرب کے درمیان ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ وہ عصر کے وقت مجالس منعقد کرتے اور دنیوی موضوعات پر گفتگو کرتے بعض اوقات ایسا ہوتا کہ کسی کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے جن سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی اور نوبت جنگ و جدال تک پہنچتی چنانچہ کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ عصر کا وقت ہی بُرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس وقتِ خاص کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ — بیشک انسان نقصان میں ہے

Marfat.com

مقصود اس تعبیر سے یہ ہے کہ کوئی وقت بھی فی نفسہ مذموم نہیں ہے اور اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ یہ زمانہ بُرا ہے اور یہ وقت منحوس ہے بلکہ دوسرے اوقات کیطرح عصر کا وقت بھی نیک و بد اعمال کے لئے ایک ظرف کا حکم رکھتا ہے البتہ اگر مذموم ہیں تو وہ بداعمال ہیں جو اس وقت میں انجام دیے جاتے ہیں چنانچہ مطلق زمانے یا وقتِ مخصوص کی قسم کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ - یہ اس خاطر ہے کہ قسم کے ساتھ اس دعوٰے کو ثابت کیا جائے کہ تمام افرادِ انسانی جن پر انسان کا اطلاق ہوتا ہے ان میں کوئی نہ کوئی خسارہ کی قسم موجود ہے سوائے ان لوگوں کے جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ نتیجہ کلام یہ کہ انسان کی خوش نصیبی یا بدبختی کا سرچشمہ خود اس کے اعمال ہیں۔ زمان یا مکان نہیں۔ اَلْاِنْسَان - کا استغراق عمومِ حکم کے مُنافی نہیں اس لیے کہ جب کسی لفظ کو لفظ "کل" کیساتھ تعبیر کیا جائے تو اس سے بعض افراد کا استثناء درست نہیں ہوتا مگر اس کے برعکس جب "الف لام" کے ساتھ استثناء کیا جائے تو اس سے مراد صرف وہ افراد ہوتے ہیں جو لفظ کے سنتے ہی مخاطب کے ذہن میں آسکتے ہیں مثلاً اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کی جگہ اگر کہا جاتا کہ کُلُّ اِنْسَانٍ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا - تو یہ درست نہ ہوتا کیونکہ انسان کا اطلاق اُس بچے پر بھی ہوتا ہے جو ابھی سنِ بلوغ

Marfat.com

کو نہیں پہنچا اور جب تک کوئی بچہ سنِ بلوغ کو نہیں پہنچ جاتا شرعی اعتبار سے وہ مکلّف نہیں ہوتا (یعنی کُلُّ انسان کہنے سے وُہ بچّہ بھی اس نقصان میں شامل ہوتا جبکہ ابھی اس پر شریعت کے احکام نافذ ہی نہیں)
اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سوا اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ یہاں مراد وُہ لوگ ہیں جو خیر و شر سے پوری طرح واقف ہیں اور اچھے اور بُرے اخلاق میں بآسانی تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ اُن سے اوپر ایک حاکمِ مطلق ایسا ہے جو بعض اعمال سے خوش اور بعض اعمال سے ناخوش ہوتا ہے بعض اعمال پر جزا اور بعض پر سزا دیتا ہے۔ پھر اُن کا یہ دینی تصوّر اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرتے جو اُنکے اعتقاد کے مُنافی ہو۔ وہ ہمیشہ ایسے اعمال انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں جنکی خوبی قرآن حکیم نے جا بجا بیان کی ہے اور بندھن اِن تمام خوبیوں کا یہ ہے کہ انسان ایسے اعمال انجام دے جو خود اس کی ذات کیلئے اور اُس کے ماحول کے لئے مفید ہوں اُنہی پسندیدہ اعمال میں دعوۃ اِلی الحق اور وصیّتہ بالصّبر بھی ہے۔ ان دو کاموں کو خاص طور پر یہاں اسلیے ذکر کیا گیا ہے کہ تمام سچائیوں کی بنیاد اِنہی دو باتوں پر ہے گویا شرطِ نجات یہ ہے کہ سب سے پہلے حق کو پہچانے پھر اُسے اپنے قلب و دماغ میں راسخ کرے اور اس کے بعد دوسروں کو اس کی جانب دعوت دے۔ یہ چیزیں کیونکر حاصل ہو سکتی ہیں اِس کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ انسان غور و فکر سے کام لے تا کہ ظلمت و نور میں بآسانی فرق کر سکے۔ فرض کیجئے کہ ایک

Marfat.com

شخص صحیح بات پر مُطّلع ہو گیا ہے مگر دوسروں کو اس کی جانب دعوت نہیں دی تو درحقیقت وہ بھی خُسران کا شکار رہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے یٰ صبر سے مراد تکلیف اور محنت کو برداشت کرنا ہے عام اس سے کہ وُہ کسی چیز کے ترک میں ہو یا اختیار میں۔ گویا نجات مِنَ الخُسران کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ تم خود بھی صبر سے کام لو اور دوسرے کو بھی صبر کی تلقین کرو۔ یہ کام تم اُس وقت بخوبی انجام دے سکتے ہو جبکہ تم نے اپنے اندر پہلے یہ ملکہ پیدا کر لیا ہو اس سورۃ میں تمام مکلّف افراد کو دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اگر قرآن حکیم کی یہی ایک سورت نازل ہوتی اور مزید کچھ نازل نہ ہوتا تو بھی انسانوں کی ہدایت کیلئے کافی تھا۔ تاریخ میں منقول ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جب دو آپس میں ملتے تو جب تک یہ سورۃ ایک دوسرے کو پڑھ کر نہ سناتے الگ نہ ہوتے۔

سُورَةُ الهُمَزَة: سورۃ ہُمزہ مکی ہے اور اس میں نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغلخور کی خرابی و بربادی ہے)۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کی عزت

Marfat.com

پر ہاتھ ڈالتا ہو خود اُنہیں ذلیل کرتا ہو اُنکے اچھے اعمال پر پانی پھیرتا ہو اور بُرے اعمال کو ان کی طرف منسوب کرتا ہو۔ مقصود اس کا یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کی پگڑی اچھال کر خود اپنا نام پیدا کرے۔

هُمَزَةٌ "همز" سے اور لُمَزَةٌ "لمز" سے بنا ہے همز کا معنے نیزہ چلانا اور لمز کا معنے توڑنا ہے۔ اس کے بعد اِن دونوں سے وہ مفہوم لیا جاتا ہے جو ہم بیان کر چکے

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ جو مال جمع کرتا اور اُسے گن گن کر رکھتا ہے آیت کے اس ٹکڑے میں دوسروں کی پگڑی اچھالنے کی علّت بیان کی گئی ہے یعنے لوگوں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا یہ سبب ہوا کہ اُس نے دولت جمع کر لی ہے اور اُس کی شدت محبت کی وجہ سے بار بار اِس دولت کو گنتا رہتا ہے اُس کے خیال میں مجد و شرف کا مستحق تنہا وُہ شخص ہے جس نے دولت کے انبار جمع کر لیے ہوں لہذا جب وُہ اپنی دولت پر نگاہ کرتا ہے تو اِس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ساری عزت و شرف کا مستحق تنہا وہی ہے۔ اور جب غریب پر نگاہ پڑتی ہے تو اُسے حقیر و ذلیل سمجھتا ہے مال و دولت کے غرور نے اُسے موت کے تصور سے بیگانہ کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ وہ خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال اُسکی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ گویا اُس کی دولت نے اُس کی زندگی کو محفوظ کر دیا ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اور کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی

Marfat.com

سے دوچار نہیں ہوگا جس میں اُس کے بُرے اعمال کا جائزہ لیا جائے جس شخص کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اُسے خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے ہلاکت اور بربادی ہے پھر اس سے زیادہ تصریح کرتے ہوئے ارشاد ہے تمہارا یہ خیال کہ دولت و ثروت تمہیں محفوظ کر دیگی" ایک خیالِ خام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ فرمایا

كَلَّا ہرگز نہیں۔

یعنی اس خیالِ باطل سے تمہیں باز رہنا چاہیے

لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائیگا۔

وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا الْحُطَمَةُ اور تم کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے؟

چونکہ حطمہ ایک بہت بڑی چیز ہے اس لئے اُس کی ہیبت ناکی استفہام سے ظاہر کی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ سوائے اُس ذات کے جس نے حطمہ کو بنایا ہے اُس کی حقیقت کا احاطہ کوئی اور شخص نہیں کر سکتا۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے

وہ آگ جو تنہا اللہ ہی کیجانب منسوب کی جاتی ہے اس لیے کہ وہی اُس کا خالق ہے اور وہ ایسے عالم میں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اُس میں کتنی گرمی ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ صرف اتنا جانتے ہیں کہ دنیا کی آگ کے مقابلے میں اُس کی حرارت کہیں زیادہ ہے یہی سبب ہے کہ اُسے اُن اوصاف سے متّصف کیا ہے جن سے دنیوی آگ متّصف نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ جو دلوں پر جا لپٹے گی ؎

فُؤاد کا اطلاق قلب پر اُس وقت ہوتا ہے جبکہ قلب میں وجدان وشعور بھی ملحوظ ہو۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وُہ آگ اُن گنہگاروں کے حواس اور ادراکات پر چھا جائے گی کیونکہ دنیا میں نیّات و مقاصد کا سرچشمہ یہی چیزیں تھیں۔ بعض مفسرین کے ہاں یہاں تَطَّلِعُ کا معنے علم (اور اطّلاع) ہے اس طرح آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ گنہگار انسانوں کے دلوں میں جو کچھ ہے یہ آگ اُس سے بخوبی واقف ہوگی اور تنہا اُنہی کے جلانے کیلیے ہوگی۔

اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ (اور) وہ اسمیں بند کر دیے جائیں گے

یعنی یہ آگ ہر طرف سے گھیر لیگی اور وُہ اُس سے خلاصی نہیں پاسکیں گے

فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ (یعنی آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں ؎ "عَمَدٌ" عمود کی جمع ہے اس کا معنی ستون ہے مُمَدَّدہ کا معنے ہے طویل اور دراز یعنے یہ آگ اُن کے ستونوں میں بند کردی جائیگی۔ اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ ستوں سے عرفی ستون مراد ہوں کیونکہ یہ آخرت کے معاملات سے متعلق ہے اور معاملاتِ اُخروی کی حقیقت اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا

Marfat.com

سُورَۃُ الفِیل :-

سورہ فیل مکّی ہے اور اسمیں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؁

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا اُس خدا نے بزرگ و برتر نے جو آپ کے تمام اُمور کا مالک ہے ۔

فیل سے مراد معروف حیوان (ہاتھی) ہے اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ حالت بیان کی ہے جسمیں اللہ کا امرِ خاص واقع ہوا

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَھُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۔
کیا اُن کا داؤ غلط نہیں گیا؟

"کید" سے مراد بُری تدبیر ہے اور "تضلیل" سے مراد اضاعت ہے اَلَمۡ تَرَ اور اَلَمۡ یَجۡعَلۡ میں ہمزہ تقریر و تثبیت کے لیے ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فیل کے ساتھ جو سلوک کیا وُہ عنقریب آپکو بتایا جائیگا۔

وَاَرۡسَلَ عَلَیۡھِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۔
اور اُن پر جھنڈ کے جھنڈ جانور بھیجے۔

"ابابیل" جماعتوں اور گروہوں کو کہتے ہیں خواہ از قبیل طیور ہوں یا از قبیل خیل وغیرہ اور عام اس سے کہ جسامت میں بڑے ہوں

Marfat.com

یا چھوٹے اور عام اس سے کہ آپ اُسے دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ جو اُن پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے ؛
"سجّیل" سے مراد وُہ چیز ہے جو سوکھ کر پتھر ہو جائے۔ یہ لفظ فارسی سے معرّب ہے۔
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ۔ تو اُن کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھُس ؛
"عصف" پتوں کو کہتے ہیں عصفِ ماکول سے مراد وُہ پتّے جنہیں کیڑوں نے کھالیا ہو۔ اس سورت میں حق سبحانہ وتعالیٰ یہ تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ بعض اوقات وُہ حقیر سے حقیر تر مخلوق سے بھی بڑے سے بڑا کام لے لیتے ہیں۔ ساری کی ساری مخلوق مقہور ومغلوب ہے قاہر اور غالب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔
پھر اِس قوت اور عزم کا بیان ایک مثال سے کیا ہے وہ یہ کہ ایک قوم نے چاہا کہ ایک لشکرِ جرّار لیکر اللہ کے بندوں کو ستائے مگر اللہ نے اُنکے بُرے ارادوں سے اپنے بندوں کو محفوظ رکھا۔

تفصیلی واقعہ: ایک حبشی جرنیل لشکرِ جرار لیکر مکہ مکرّمہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب شہر سے قریب پہنچا تو اہل شہر کو پیغام بھیجا کہ وہ اُن سے لڑنے نہیں آیا اُس کا مقصود صرف یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو گرادے۔ اس پر لوگ شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر

Marfat.com

نکل گئے دوسرے دن حبشی جرنیل کے لشکر میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ بلادِ عرب میں یہ وباء عام ہوئی۔ اس وبا کی وجہ سے حبشی لشکر کے اجسام پھٹ گئے۔ خود جرنیل کا یہ حال ہوا کہ اُس کے جسم کے ٹکڑے الگ الگ ہو گئے اور جب وہ بھاگتے ہوئے صنعاء (یمن) پہنچا تو مر گیا۔

نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وباء کھنگر کی پتھریوں کی وجہ سے وجود میں آئی جو پرندوں نے لشکر پر برسائیں۔ کوئی بعید نہیں کہ "طیر" سے مراد مکھی، مچھر ہوں جو بعض امراض کے جراثیم ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پتھر یا کنکریاں خود اپنے اندر ایسے زہریلے جراثیم رکھتی ہوں۔ اور پھر یہ مکھی، مچھر جب انسانوں پر آ کر بیٹھتے ہوں یا انہیں کاٹتے ہوں تو یہ زہریلے اثرات اُن کے اجسام میں سرایت کر گئے ہوں۔ اس سورۃ کی تفسیر ہماری رائے میں اسی طور پر صحیح ہے۔ اس کے سوا عام طور پر جو تاویلات دوسرے مفسرین نے کی ہیں وہ قرآن حکیم کے الفاظ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال ان کے ساتھ وفا نہیں کرتے۔

Marfat.com

سُورَۃ قریش

سورۃ قریش مکی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں -

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ اِلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ

قریش کو مانوس کرنے کے سبب، (یعنی) اُنہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب

قریش اُن عرب قبائل کا نام ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔ ایلاف، اُلفت اور ائتلاف سے ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز سے پوری طرح مانوس ہے۔

قریش سال میں دو سفر کیا کرتے تھے۔ سردیوں میں یمن کیجانب اور گرمیوں میں شام کیطرف۔ اِن دو سفروں میں وُہ تجارت کرتے اور اس سے نفع اٹھاتے تھے۔ قریش کے یہ قافلے پورے ملک عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عرب اُنہیں مکہ مکرّمہ کے باشندے اور بیت اللہ کے ہمسائے خیال کرتے تھے اس طرح اُنہیں سفر میں کوئی دِقّت پیش نہ آتی۔ گویا قریش کو بیت اللہ کے احترام کی وجہ سے ایک ایسی زبردست معنوی قوت حاصل تھی جس کی وجہ سے وُہ ملک کے جس گوشے میں جانا چاہتے بآسانی جا سکتے تھے۔ اگر بیت اللہ کا احترام لوگوں کے دلوں میں نہ ہوتا تو قریش کو سفر کی یہ سہولتیں میسّر آتیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ وُہ مَعاشی پریشانیوں کا شکار ہو جاتے کیونکہ

Marfat.com

تجارت کے سوا اُن کے پاس کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ ان کی زمین سبزی وشادابی سے خالی تھی اور وہ خود کوئی ایسی صنعت نہیں جانتے تھے کہ جس سے وہ قوت لایموت کا انتظام کر پاتے۔ قریش کا یہ سارا اجلال و احترام صرف بیت حرام کی وجہ سے تھا۔ ربّ کعبہ جس نے اُن حبشیوں کو جنہوں نے کعبہ کو گرانا چاہا تھا تباہ وبرباد کیا اُسی نے کعبہ کی حفاظت کرنے والوں کی وجہ معاش کا بھی انتظام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش پر یہ احسان جتاتے ہوئے فرمایا

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِیْٓ (ان) لوگوں کو چاہیئے کہ (اِس کے شکر میں)
اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ اُس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔

جس نے اُنہیں بھوک میں کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا۔ یعنی قریش کا فرض ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں۔ ہم نے جو معنیٰ بیان کیے ہیں یہ بعض مفسرین کی اس بنیاد پر مبنی ہیں کہ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ میں 'لام'، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول اس خاطر بھیجے تاکہ جو لوگ کعبہ گرانے کی نیت سے آتے ہیں وہ چیچک کا شکار ہو جائیں۔ اور سورۃ الفیل اور سورہ قریش کے درمیان بسم اللہ کا آجانا اس معنیٰ کو خارج نہیں بلکہ ہر دو سورتیں اپنے معانی میں گو مستقل نہیں لیکن ایک وجہ اشتراک کے سبب ان دونوں میں فصل لایا گیا ہے سورۃ قریش میں جو معانی بیان کیے گئے ہیں وہ بہت مہتم بالشان ہیں کیونکہ یہ خطاب قریش سے ہے اور قریش آنحضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قوم کا نام ہے لہٰذا ناگزیر ہوا کہ جو کچھ قریش سے متعلق تھا اُسے بسم اللہ کے ساتھ پہلے لوگوں سے فصل کر دیا جاتے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ

Marfat.com

کا لام محذوف سے متعلق ہے یعنی اِعْجَبُوْا لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ - اس طرح یہ ایک الگ سورۃ ہوگی اور ماقبل سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا -

سُوْرَۃُ الْمَاعُوْن

سورۃ ماعون مکی ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَاَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۔ بھلا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے؟

اَرَاَيْتَ کا معنے هَلْ عَرَفْتَ وَهَلْ عَلِمْتَ - يكذب بالدّين میں الدّین سے مراد وہ امورِ الٰہیّہ ہیں جو محسوسات سے ماوراء ہیں جہاں تک نفسِ انسانی کا پہنچنا مشکل ہے۔ زیادہ سے زیادہ نفسِ انسانی جہاں تک جست لگا سکتا ہے وُہ اس کے آثار و علامات ہیں۔ انہی امورِ الٰہیّہ میں اُن پیغمبروں کا بھیجنا بھی شامل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قطعی اور یقینی دلائل دے کر بندوں کی طرف بھیجا اُن کا کام انسانوں کو نیک و بد پر مطّلع کرنا اور یہ بتانا ہے کہ اِس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہے جہاں اس دنیوی زندگی کے نیک و بد کی جزا و سزا ملیگی۔ بیشمار لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وُہ دین پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کی تصدیق کرتے ہیں، انبیا و رسل علیہم السلام جو احکام و تعلیمات لیکر آئے ہیں وُہ اُنہیں دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں اور اُخروی زندگی کے دل سے قائل ہیں ایسے لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں اور اُن سے اختلافِ مذہب رکھنے والے لوگ سب بدبختی کے شکار ہیں۔ رہا یہ کہ اُن لوگوں کے پاس اپنے اس دعویٰ کی کیا دلیل ہے تو یاد رکھنا چاہیے

Marfat.com

کہ دین کے ظواہر و رسوم کے سوا اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ مثلاً نماز پڑھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے دین کے ایک بہت بڑے تقاضے کو انجام دے دیا۔ غرضیکہ دین کی ہر وُہ تعلیم جسمیں کوئی دولت صرف نہ ہوتی ہو، کوئی زیادہ مشقت نہ اٹھانا پڑتی ہو وُہ اُن تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہیں۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دورِ باسعادت میں نصاریٰ، یہود اور مشرکین سب یہی خیال کرتے تھے کہ وہ دین پر عمل پیرا ہیں اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ وُہ لوگ نماز اور روزے کے بڑے پابند تھے مگر قرآن حکیم نے اس کے باوجود جابجا اُنکی مذمت کی ہے اس لیے کہ نماز اور روزہ اپنی جگہ برحق ہے لیکن بیکار باتوں پر طبع آزمائی، طاقتور کا کمزور کو دبانا، دولتمند کا محتاج اور فقیر پر رحم نہ کرنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو انسان کو بہت دور لیجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا کہ مُکَذِّبْ بِالدِّیْن کون ہے؟ فرمایا اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْن اور یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص سے ہے پھر مُکَذِّبْ بِالدِّیْن کی تشریح میں یوں فرمایا۔

فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ‎ یہ وہی (بدبخت) ہے جو یتیم کو دھکے
وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْن ‎ دیتا ہے اور فقیر کو کھلانے کیلیے
(لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔ یَدُعُّ الیتیم کا معنیٰ ہے یتیم کو دور کرنا ہے اور اُسے ڈانٹتا ہے یتیم معاشرے میں کمزوری کا ایک مظہر ہے گویا جس نے یتیم کی توہین کی وہ کسی اور کمزور کو خاطر میں کیا لائے گا۔ یَحُضُّ علیٰ طعام سے مراد لوگوں کو مسکین کی امداد پر آمادہ کرنا اور اُس کی دستگیری کیجانب متوجہ

Marfat.com

کرتا ہے۔ جو شخص دوسرے کو مسکین کی امداد پر آمادہ نہیں کرتا وہ خود اپنی ذات میں فقیر کی کیا مدد کریگا گویا لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَام اس بات سے کنایہ ہے کہ وہ خود بھی کچھ نہیں دیتا اور دوسروں کو بھی کچھ دینے کی تلقین نہیں کرتا۔ بعض فلاحی انجمنوں کیلیے چندے لیے جاتے ہیں اُن کا جواز بھی اسی آیت سے ثابت کیا جاتا ہے نیز سورۃ الفجر میں ہے

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ

(نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو) یہ بھی اُسی مادہ حضّ سے ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مُکَذِّبْ بالدِّین وہ شخص ہے جو کبر وغرور کیوجہ سے کمزور لوگوں کے حقوق پامال کرتا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ جو کمزوروں کے حقوق کو پامال کرتا ہے اور دولت کے بارے میں بخیل ہے آیا وُہ نمازی ہے یا نہیں، کیونکہ نماز اُس کے لیے کسی معنی میں مفید نہیں اور "مکذبین" کی صف سے اُسے نہیں نکال سکتی اس لیے کہ منطقی اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص کسی بات کو تسلیم کرتا ہے وہ اُس کے تمام اجزاء کو تسلیم کرتا ہے یہ شخص اگر دین کو مانتا ہوتا تو اُس کی سمجھ میں یہ بات بآسانی آسکتی تھی کہ نماز کیا ہے؟ یہ خشوع وخضوع کا ایک مظہر ہے اُس ذات کے سامنے ذلت وانکسار کا اظہار ہی تو ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ حق کے تمام حدود کو متعیّن کیا اور قوی تر لوگوں پر ضروری قرار دیا کہ وُہ کمزوروں کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوں۔ جو شخص فریضۂ نماز تو ادا کرتا ہے مگر باقی

Marfat.com

فرائض نظر انداز کر دیتا ہے وہ جھوٹا اور ریاکار ہے۔ اسی لیے تو اللہ کریم نے فرمایا
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے جو نماز
عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کیطرف سے غافل رہتے ہیں۔
جب آپ اس بات کو بخوبی سمجھ گیے کہ مُکَذِّبٌ بِالدِّيْن وہ شخص ہے
جس کا دل محبت اور رحم کے جذبات سے خالی ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے
کہ اس آیت میں جو لفظ وَيْلٌ استعمال کیا گیا ہے وہ اُن لوگوں کے لیے ہے
جو نماز پڑھتے ہیں۔ اور نماز سے وہ چیز مراد لیتے ہیں جو اُن کے خودساختہ معیار
کے مطابق ہے مگر وہ نماز کی صحیح روح سے ناواقف ہیں۔ رکوع میں جاتے ہیں رکوع
کا تصور نہیں سجدے میں جاتے ہیں سجدے کا دھیان نہیں۔ ایسے رکوع و سجود کی مثال اُس رفتار کی
سی ہے جس میں انسان برابر قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے اور اُسے قدم بڑھانے کا تصور نہیں ہوتا۔ اسیطرح
ایسے شخص کو نماز سے پہلے نماز کا تصور ہوتا ہے مگر عین نماز میں وہ تصور ختم ہو جاتا ہے
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ (اور) ریاکاری کرتے ہیں۔ یعنی لوگوں
کے دکھاوے کی خاطر عبادت کرتے ہیں اور روحِ عبادت سے ناواقف ہیں۔
وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ اور برتنے کی چیزیں عاریۃً نہیں دیتے۔
ماعون سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے کسی کام میں مدد لیجائے۔ یہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں اور
جتنے اعمال کرتے ہیں اُنمیں ریاکاری ہوتی ہے ضرورت کی چیزیں پاس موجود ہوتی ہیں
مگر دوسروں کو استعمال کیلیے نہیں دیتے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی نماز انہیں
کسی معنی میں مفید نہیں

Marfat.com

سُورَۃُ الکوثر

سورہ کوثر مکی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں

عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط اور ابو لہب نے جب دیکھا کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں لڑکے ہوتے ہیں اور وفات پا جاتے ہیں تو وہ کہنے لگے ابتر محمد یعنی آپکی اولاد ذکور زندہ نہیں رہتی اور اپنی جگہ اسے بڑی عیب کی بات سمجھنے لگے پھر اس کی تشہیر کر کے آپؐ کے متبعین کو ورغلانے کی کوشش کرتے۔ ساتھ ہی جب یہ دیکھتے کہ مسلمان مفلس و نادار قسم کے لوگ ہیں تو اُن کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرتے اور اسے دین حق کے باطل ہونیکا سبب گردانتے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ دینِ حق ہوتا تو قوت و دولت اس کے ساتھ ہوتی اور تنہا اُنہی پر کیا موقوف ہر دور میں حق پرستوں کے بارے میں ایسی ہی آراء کا اظہار کیا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بعض جو ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اُن کے دلوں میں بھی یہ (وفات اولاد والی) بات کھٹکتی اس پر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایسے اصحاب کے نفوس کی تطہیر فرما دیں اور معاندین کے منہ بند کر دیں یہی وجہ ہے کہ جملہ موکدہ لایا گیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (اے محمدؐ) ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمائی

"کوثر" کثرت سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز کثرت میں حد افراط کو پہنچ جائے۔ ایک بادیہ نشین خاتون سے (جس کا بیٹا سفر سے واپس آیا تھا) جب پوچھا گیا کہ تمہارا بیٹا سفر سے کیا کچھ لایا تو اُس نے کہا "کوثر"۔ کوثر کا لفظ جو اس سورت میں استعمال ہوا ہے اسمیں بڑا اختلاف ہے تاہم اس کا معرّف باللام لانا اس بات کا پتا دیتا ہے کہ مخاطبین کے ہاں اس کے معنی معروف تھے اور ظاہر ہے کہ جو لوگ کلام اللہ کے مخاطب تھے اُن کے نزدیک

Marfat.com

"کوثر" سے مُراد نبوّت، دینِ حق، ہدایت اور وہ سب چیزیں مُراد ہو سکتی ہیں جنمیں انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کا بھلا ہو۔ مفسرین نے کوثر کے جو مختلف معانی بیان کیے ہیں وہ یوں ہیں

(۱) ابوبکر بن عیاش اور یمان بن وثاب کی رائے ہے کہ کوثر سے مُراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ علیہم الرضوان اور تمام وہ متبعین ہیں جو روزِ قیامت تک آئیں گے۔

(۲) حسین بن الفضل کی رائے ہے کہ کوثر سے مراد قرآن حکیم کا آسان کرنا اور احکام کی تخفیف ہے

(۳) بعض مفسرین کی رائے ہیں "الکوثر" سے مُراد اسلام ہے۔

(۴) بعض کی رائے ہے کہ اس سے مُراد توحیدِ باری تعالیٰ ہے

(۵) حضرت سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "الکوثر" سے نبوّت مراد ہے

(۶) حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے حضور صلعم کا نورِ دل مُراد ہے

(۷) بعض مفسرین نے اس سے علم و حکمت مراد لیا ہے

(۸) ابن کیسان کی رائے ہیں "الکوثر" سے ایثار مراد ہے یعنی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا

(۹) بعض مفسرین کے نزدیک "الکوثر" سے مراد وہ بیشمار فضائلِ اخلاق ہیں جو اللہ جل شانہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت فرمائے۔

(۱۰) ائمہ مفسرین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ "الکوثر" سے مُراد خیرِ کثیر اور دنیوی و اخروی نعمتیں ہیں

(۱۱) بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے الکوثر کی تفسیر اس خیر سے کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی۔

(۱۲) ابو بشر کہتے ہیں میں نے حضرت سعید سے دریافت کیا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ

Marfat.com

الکوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے حضرت سعید نے جواب میں فرمایا کہ جنت کی یہ نہر بھی اُس خیر کی ایک فرع ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی ہے اور اسیطرح کا ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

جب ہم یہ قرار دیں کہ کوثر سے مُراد نبوت یا علم وحکمت یا نورِ قلب ہے تو آیۃ کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے آپکو ایسی خوبیاں دی ہیں جن سے زیادہ کسی خوبی کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا یہ اور بات ہے کہ کم عقل لوگ ان خوبیوں کی قدر وقیمت نہ جان سکیں معاندین کا یہ خیال کہ قوت اور مال یہ دو بڑی خوبی کی چیزیں ہیں درست نہیں کیونکہ جب قوت و مال کے ساتھ ہدایت شریک نہ ہو اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ یَحْفَظُكَ وَاَنْتَ تَحْفَظُ الْمَالَ یعنے تم دولت کے خادم ہو۔ فرض کیجیے کہ کسی کے پاس دولت بھی ہے تو بھی جب تک اُس کی حفاظت کا علم اُسے نہ ہوگا وُہ اُسے محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔ اور اگر الکوثر سے مُراد دُنیوی و اُخروی خیر وبرکت لی جاتے تو مفہوم یوں ہوگا کہ جلد باز سمجھتے ہیں کہ آپ کمزور اور مفلس ہیں اور اُن کے دولت مند اور قوی و توانا لوگ بڑی عزت وشوکت کی زندگی گذار رہے ہیں مگر بیچاروں کو اس بات کا علم نہیں کہ ہم نے جس خیر کثیر سے آپکو نوازا ہے اُس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتی یہ تو دنیا کی بات ہے خیر کثیر کا وہ حصہ جس سے آپ آخرت میں مالا مال ہوں گے اُسکا تو یہ اندازہ ہی نہیں لگاسکتے

رہا یہ کہ الکوثر جنت کی کسی نہر کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے وہ نہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی ہے۔ تو یہ مفہوم اس آیت سے کہیں نہیں نکلتا۔ ایسی نہر کے وجود کا اعتقاد تواتر اخبار پر موقوف ہے اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس نہر کے بارے

Marfat.com

ہیں متواتر اخبار (احادیث و آثار) موجود ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ نہر کوثر کا وجود
از قبیل مغیبات ہے ہم اس کی کیفیت صحیح طور پر جاننے اور بتانے سے قاصر ہیں۔
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ تو اپنے پروردگار کیلیے نماز پڑھا کرو اور
قربانی کیا کرو۔ یعنی خدائے واحد کیلیے نماز پڑھیں اور جانور ذبح کریں اس لیے کہ تنہا
وہی آپ کا مربی و کارساز ہے دوسری جگہ فرمایا قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ
وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُسْلِمِیْنَ۔ کہدو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العلمین
کیلیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلے فرمانبردار
ہوں۔ (الانعام)

اللہ تعالی نے پہلے اُس خیر کا ذکر کیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی اُس کے
بعد اُس نعمت پر شکر کا حکم دیا اور پھر اُس کے بعد آپ کے دشمنوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا
اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن ہی بے اولاد رہیگا۔
شانئ کا معنے دشمن اور اَبتَر اُسے کہتے ہیں جسکی نسل باقی نہ رہے۔ بقائے ذکر خیر کو حیوان کی دم
سے تشبیہ دی کیونکہ وہ بھی حیوان کے پیچھے ہوتی ہے اور اُس کے لئے باعث زینت ہوتی
ہے۔ اولادِ ذکور سے محرومی کو دم کے کٹنے کیساتھ تشبیہ دی اور اہل عرب میں "بَتَرَ"
اس معنی میں عام طور پر مستعمل تھا۔ ظاہر ہے کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن آپ کی
ذات کے دشمن نہ تھے تاریخ شاہد ہے کہ دعویٰ نبوت سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
معاشرے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اُنہیں تو آپ کے اُس مشن سے عداوت
تھی جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آتے تھے۔ نتیجۃً آپ کا ذکر خیر قیامت تک کیلیے

Marfat.com

محفوظ کیا گیا اور آپ کے دشمنوں کا آج کوئی نام تک کم جانتا ہے۔

سُورَۃُ الکافرون

سورۂ کافرون مکی ہے اور اسمیں چھ آیتیں ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ (اے پیغمبر! ان منکرین اسلام سے) کہدو کہ اے

کافرو! - کافر ایسے ضدی اور ہٹ دھرم شخص کو کہتے ہیں جو حق کی روشنی دیکھکر آنکھیں بند کرلے
اور حق کی بات سنکر کانوں میں انگلیاں دے لے۔ ایسے شخص کو کوئی دلیل مفید نہیں ماحول کے
عام لوگ جسطرح کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں ایسا شخص اپنے آپکو اُسی طرز پر ڈھال لیتا ہے
اور اپنے معتقدات میں سارا بھروسا اپنے آباء واجداد کے نظریات پر کرتا ہے انہی لوگوں کے بارے
میں قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ
الۡبُکۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰہُ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا لَّاَسۡمَعَہُمۡ
وَلَوۡ اَسۡمَعَہُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ (کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تمام
جانداروں سے بدتر بہرے گونگے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر خدا اُنمیں نیکی کا مادہ دیکھتا
تو اُنکو سننے کی توفیق بخشتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سماعت دیتا تو وہ منہ
پھیر کر بھاگ جاتے" (الانفال) ایسے اکثر لوگ داعیٔ حق کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ہمیں کس
بات کیجانب دعوت دیتا ہے؟ "کیا خدا کی طرف"؟ اگر ایسا ہے تو ہم پہلے سے موحّد ہیں" زیادہ
سے زیادہ یہ کہ ہم اپنے اور اللہ کے درمیان کچھ لوگوں کو شُفعاء قرار دے لیتے ہیں تاکہ وہ اللہ
کو سفارش کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور اُنکی طفیل ہماری حاجات
پوری ہوتی ہیں۔ کیا اللہ کی عبادت کیجانب دعوت دیتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم پہلے

Marfat.com

رکوع و سجود کے عادی ہیں - زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم اللہ کے اولیا کی تعظیم کرتے ہیں اور خدا تک پہنچنے کے لیے اُنہیں وسیلہ قرار دیتے ہیں"۔ یہ وہ وساوس و خیالات تھے جنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینکنا اور داعی حق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موقف بیان کرنا چاہتے تھے چنانچہ فرمایا :-

لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو اُنہیں میں نہیں پوجتا

یعنی وہ اِلٰہ جسکی تم اپنے خیال میں عبادت کرتے ہو میں اُس کی عبادت نہیں کرتا کیونکہ تم تو اُس اِلٰہ کی عبادت کرتے ہو جس نے کچھ سفارشی مقرر کر رکھے ہیں یا صاحب اولاد ہے یا کسی صورت میں عالم مادّی میں آسکتا ہے اور میں ایسے اِلٰہ کی عبادت کرتا ہوں جو ایسی باتوں سے مُنَزّہ ہے

وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں اُس کی تم عبادت نہیں کرتے - یعنی جس خدا کی جانب میں دعوت دیتا ہوں تم اُس کی عبادت نہیں کرتے کیونکہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب تک درمیانی وسائل سے کام نہ لیا جائے خدا تک پہنچنا مُحال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم نے اِس راہ میں کئی وسائل اختیار کر رکھے ہیں لہذا یہ بات عیاں ہے کہ میرا اور تمہارا معبود ایک نہیں بلکہ دو الگ الگ معبود ہیں ـــــ پھر چونکہ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم جو عبادت شُفعاء کی کرتے ہیں وہ فی الحقیقت خدا ہی کی عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ اُنکی عبادت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (اور میں پھر میں کہتا ہوں کہ) جس طرح کی تم پرستش کرتے ہو میں اُس طرح کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں - اور نہ تم اُس طرح کی بندگی کرنیوالے (معلوم ہوتے ہو) جس طرح میں بندگی کرتا ہوں - یہاں مَا مصدریہ ہے موصولہ نہیں یعنی مَآ اَنَا بِعَابِدٍ

Marfat.com

عِبَادَتَكُمْ —— میری عبادت تمہاری عبادت کی طرح نہیں ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ پہلے دو جملوں " لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ " میں دو الگ الگ معبودوں کا بیان کرنا مقصود تھا اور یہاں " وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ " میں دونوں گروہوں کی مماثلت فی العبادت کی نفی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ہم دونوں گروہوں کی عبادت بھی الگ الگ ہے اور معبود بھی الگ الگ۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ — تم اپنے دین پر،

یعنے تمہارا دین تمہی سے مخصوص ہے۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ اس دین میں میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں تو یہ خیال درست نہیں۔

وَلِيَ دِيْنِ — میں اپنے دین پر ہے

میرا دین میرے ساتھ مخصوص ہے اور یہ وہی دین ہے جس کی طرف میں ہر صبح و شام دعوت دیتا ہوں۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ

سورۃ نصر مدنی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

قرآن حکیم میں جو خطاب مفرد صورت میں آئے کبھی تو وہ صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلیے ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (اے پیغمبرؐ جو چیز خدا نے تمہارے لیئے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ (کیا اس سے) اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو (سورۃ التحریم) اور کبھی ہر اس سے خطاب ہوتا ہے [illegible] جسے وہاں مخاطب قرار دیا جا سکتا ہو جیسے

Marfat.com

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی اَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰۤی اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی (بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے (یعنی) ایک بندے کو جب وُہ نماز پڑھنے لگتا ہے بھلا دیکھو تو اگر یہ راہِ راست پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم کرے (تو پرہیزگاری کیسا؟) یا دوسری جگہ ہے اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ (بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے۔ (الماعون)

اور کبھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ومخاصین سب کو یہ خطاب شامل ہوتا ہے۔ سورہ "النصر" میں جو خطاب ہے وہ اِسی نوع کا ہے ــــ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں کے پاس نہ دولت وثروت تھی، نہ کثرتِ اعوان وانصار، تو ایک قدرتی بات تھی کہ وہ کبھی کبھار اس حالت پر نظر کر کے پریشان ہوجاتے اور خود آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم بھی اِس حالت سے کبیدہ خاطر اور رنجیدہ ہوتے۔ آپکی پریشانی کا سب سے بڑا سبب یہ بھی تھا کہ حسن حق کی روشنی لیکر آپ تشریف لاتے اُس کے بارے میں لوگ آپ کا اعتبار کیوں نہیں کرتے۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے ارشاد فرمایا فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُکَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ کَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَکٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ (شاید تم کچھ چیز وحی میں سے جو تمہارے پاس آتی ہے چھوڑ دو اور اِس خیال) سے تمہارا دل تنگ ہو کہ (کافر) یہ کہنے لگیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا یا اِس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم صرف نصیحت کرنے والے ہو اور خدا ہر چیز کا نگہبان ہے۔ (ہود) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (ہمیں معلوم ہے کہ اِن

Marfat.com

(کافروں) کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں (مگر) یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔(الانعام) ــــ پھر فرمایا وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰي فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (اور اگر اُن کی روگردانی تم پر شاق گذرتی ہے تو اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالو یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کرو) پھر اُن کے پاس کوئی معجزہ لاؤ۔ اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس تم ہرگز نادانوں میں نہ ہونا۔(الانعام) ــــ قرآن حکیم میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ حالات کے مقابلے میں بعض اوقات سخت پریشان ہو جاتے اس سے حضور صلعم کی ذات بابرکات کے بارے میں کسی نقص و عیب کی غمازی نہیں ہوتی اسلیے کہ مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جو غیب جانتا ہو یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ فرمایا وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیے گئے یہانتک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو اُن کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ کب خدا کی مدد آئیگی (البقرۃ) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات جو عام آدمی کے بارے میں گوارا کیجا سکتی ہے خواص کے بارے میں نہیں کی جا سکتی جیسا کہ مشہور ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ (یعنی اگر مقربین عام لوگوں کی سطح کی نیکیاں کرنے لگیں تو یہی اُنکی برائیاں شمار ہونے لگیں کیونکہ درجہ قرب عام نیکی کے درجے سے بہت بلند ہے) بعید نہیں کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کے بعد وجہ پریشانی پر غور فرماتے ہوں تو اپنی جگہ اس پریشانی کو بھی گناہ قرار دیتے ہوں اور یہی وجہ ہے کہ آپکو

Marfat.com

اس سورۃ میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی بشارت دے دی گئی کہ فتح و نصرت اب آپ تک آپہنچی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ — جب اللہ کی مدد آپہنچی اور (حاصل ہوگئی)

جملے کا آغاز إِذَا سے اس لیے کیا گیا کہ وہ مضاف الیہ کے تحقق و وقوع پر دلالت کرتا ہے یعنے جب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کو باطل پر فتح دے دی۔

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ — اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا

دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا — کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

دِيْنِ اللّٰهِ " سے مراد حضور صلعم کا وہ دین ہے جو اللہ تعالےٰ کے پاس سے آپ لیکر آئے اور أَفْوَاجًا سے مراد ایک ایک دو دو نہیں بلکہ گروہ در گروہ۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ — تو اپنے پروردگار کی تعریف کیساتھ تسبیح کرو

یعنے اپنے پروردگار کی اس بات سے تنزیہ کرو کہ وہ حق کو چھوڑکر باطل کا ساتھ دے اور یہ تنزیہ حمد و ثنا کے واسطے سے ہونی چاہیے یعنی اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اُس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا۔

وَاسْتَغْفِرْهُ — اور اُس سے مغفرت مانگو۔

یعنے اپنی اور اپنے صحابہ کی مغفرت کیلیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجیے۔ ظاہر ہے کہ استغفار نام ہے خالص توبہ کا اور کسی پریشانی کے بارے میں توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت پر انسان کامل بھروسے سے کام لے اور پریشانیوں کے اوقات میں جو مختلف وساوس دل میں آتے ہیں اُنہیں دل میں جگہ نہ دے۔ گو یہ امر مشکل ہے

Marfat.com

مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کمال تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی لیے آپکو استغفار کا حکم دیا گیا۔

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا — بے شک وُہ معاف کرنے والا ہے۔

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ توبہ قبول کرتے ہیں، اس لیے کہ اُن کا مقصود انسانوں کی تربیت ہے۔ جب وُہ کسی میں کمزوری پاتے ہیں تو اُس کے دِل کو قوت وہمت سے بھرپور کر دیتے ہیں ـــــ نیز اس سورت میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ جب اسلام کو فتح حاصل ہو جائے اور پریشانی کا کوئی سبب باقی نہ رہے تو پھر آپ کا صرف یہی ایک کام رہ جاتا ہے کہ آپ اللہ کی تسبیح کیا کریں اور اُس کا شکر ادا کیا کریں۔

سُورَۃ لَهَب

سورۃ لہب مکّی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

ابولہب، عبدالعُزّیٰ بن عبدالمطّلب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا سب سے بڑا دشمن تھا جب قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کے مختلف خاندانوں کو جمع ہونے کے لیے آواز دی لوگ اِس اجتماع میں بڑی دلچسپی سے آئے یہاں تک کہ اگر کوئی خود نہ آسکا تو اپنا نمائندہ بھیج دیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر میں تمہیں اطلاع دوں کہ اس وادی میں سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے یا تکذیب؟ سب نے بیک آواز کہا کہ ہم آپکی تصدیق کریں گے کیونکہ آپ کے بارے میں آجتک ہمیں جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا اس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُیں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں اس موقعہ پر ابولہب نے برافروختہ ہو کر کہا دا خدا تمہیں ہلاک کرے کیا اسی خاطر ہمیں جمع کیا تھا؟

Marfat.com

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل میں دعوت اسلام کے لیے تشریف لے جاتے اور فرماتے إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا میں تم سب کی طرف رسول ہوں تو ابولہب بھی ساتھ ہو جاتا اور لوگوں کو آپ کی بات تصدیق کرنے سے منع کرتا رہتا ابولہب کی بیوی اُمِ جمیل بنت حرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برابر پراپیگنڈا کرتی رہتی آپ کے بارے میں طرح طرح کی چغلیاں کھاتی عربی میں چغلخور کو حامل الحطب اور حمّال الحطب کہا جاتا ہے اور کلام عرب میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شعر ملاحظہ ہو

؎ إِنَّ بَنِي الْأَدَامِ حَمَّالُو الْحَطَبِ — هُمُ الْوُشَاةُ فِي الرِّضَاءِ وَالْغَضَبِ

اس شعر میں شاعر نے حمالو الحطب سے چغلخوری ہی کا مفہوم لیا ہے ـــــ عبد العزیٰ کو ابولہب اس لیے کہتے تھے کہ اُس کے دونوں رخسار سُرخ تھے۔ یہ سورہ ابولہب اور اُس کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی اور مقصود اس سے یہ ہے کہ جو لوگ اُس پیغام سے دشمنی کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے نبی پر نازل کیا اور وہ اپنے آبائی عقائد و نظریات اور عادات و اعمال سے کسی صورت الگ ہونے کیلیے تیار نہیں اُنکے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ — ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔

عرب کہتے ہیں تَبَّتْ يَدَا فلان۔ یعنی فلاں ہلاک ہو گیا اور نقصان کا شکار ہوا۔ یہ پہلا جملہ ابی لہب کے بارے میں بددعا ہے ـــــ یَدَا سے مراد اُس کے صرف دو ہاتھ نہیں بلکہ اُس کی ذات مقصود ہے۔ تَبَّ کا معنیٰ ہلاک ہو گیا۔ یہاں یہ بتایا کہ اُس کے بارے میں صرف بددعا ہی مقصود نہیں بلکہ بددعا قبول بھی ہو گئی اور وہ ہلاک بھی ہو گیا۔ اُس کے بعد بغیر عطف کے فرمایا۔

Marfat.com

مَآ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ نہ اس کا مال ہی اُس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اُس نے کمایا۔ مَا کَسَبَ سے مراد وہ عمل ہے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں انجام دیا کرتا تھا

سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ وہ جلد ہی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ یہاں مراد آگ کے شعلے ہیں

وَّامۡرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ اور اُس کی بیوی بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے۔ ابولہب کی بیوی جو لوگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چغلیاں کھا کھا کر انہیں آپکے خلاف ابھارتی تھی۔ "حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ" اس لیے بھی کہا گیا کہ جب کوئی شخص جلتی آگ کیطرف لکڑی کا گٹھا اٹھا لاتا ہے تو وہ گویا اُسے اور بھڑکانا چاہتا ہے۔ فرمایا۔

فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ اُس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی۔ حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ سے مراد کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہے۔ جس طرح کسی عورت نے اپنے سر پر لکڑی کا گٹھا اٹھایا ہوا ہو اور اُس کے گرد رسی باندھ کر سہارے کیلیے اپنی گردن میں ڈال رکھی ہو اور اُس کی وجہ سے وہ تکلیف محسوس کرتی ہو۔ ابولہب کی بیوی کا بھی کچھ اسی طرح کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آگ کے شعلے بھڑکانے کی خاطر بڑی تکلیف اٹھا کر اُس آگ پر اور لکڑیاں ڈالنا چاہتی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ رسول اکرم علیہ الف الصلوات والتحیات کی مخالفت میں کتنی سرگرم تھی۔

Marfat.com

سورۃ التوحید

سورہ توحید مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

سورۃ توحید یا سورۃ اخلاص اُن تمام اہم ارکان پر مشتمل ہے جن پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رسالت کو اُستوار کیا گیا ہے۔ وہ تین اہم ارکان یہ ہیں۔

عـ۱ اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ عـ۲ صالحات اور سیّئات کے لیے عام حدود کا بیان عـ۳ موت کے بعد قبر سے اٹھنے سے لیکر جزاء و سزا پانے تک نفس کے احوال وکیفیات توحید و تنزیہ کا بیان اس لیے ہوا تاکہ قبائل عرب کو شرک کے دلدل سے نکالا جائے۔ دین کی تبلیغ میں سب سے پہلی اور بنیادی تعلیم یہی ہے۔ دوم جبتک صالحات اور سیئات کی حدود متعیّنہ کردی جائیں کوئی شخص نیکی اور بدی کا پوری طرح امتیاز نہیں کرسکتا اور جبتک یہ نہ بتا دیا جائے کہ قبر سے اٹھنے کے بعد سے لیکر جزاء وسزا پانے تک انسانی نفوس کی کیا کیفیت ہوگی اُس وقت تک انسانی نفوس قیامت کے منظر کی ہولناکی کا اندازہ نہیں کرسکتے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہو کہ وُہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے)

ایک ہے ۔ ھُوَ ضمیر شان (یا ضمیر حدیث) ہے۔ اَحَدٌ کا مطلب ہے وہ اکیلا ہے اور اُس کی ذات میں کسی طرح کی کثرت متصوّر نہیں۔ اس سے اُن تمام مذاہب کا ابطال ہوگیا جو خدا کی ذات میں کسی کسی معنی میں تعدّد یا تکثّر کے قائل ہیں پھر "اَللّٰہُ اَحَدٌ" میں اَحَدٌ کو نکرہ لائے یعنی اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، اس معنی میں نہیں کہ اُس کے سوا کوئی واحد نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کی احدیت اس کی

Marfat.com

لیئے ثابت ہے وُہ کسی اور کے لیئے ثابت نہیں۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ (وہ) معبودِ برحق جو بے نیاز ہے ۲

اَلصَّمَدُ (نرادھار) سے مراد وُہ آقا ہے جس کی طرف لوگ اپنی ضرورتوں میں رجوع کریں۔ یہ اُن جامع کلمات میں سے ہے جو اپنے معانی میں حدّ درجہ تام ہیں۔ اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ کائنات کی کوئی ضرورت ایسی نہیں جو اللہ کے سوا کوئی دوسرا پورا کر سکے لہٰذا ہر صاحبِ حاجت پہ ضروری ہے کہ وہ اپنی حاجت صرف اللہ ہی کے سامنے رکھے۔

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ نہ کسی کا باپ ہے، اور نہ کسی کا بیٹا ۳

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو اس بات سے پاک بتاتے ہیں کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ اس سے اُن مذاہب کا بھی ابطال ہو گیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیئے بیٹے اور بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں۔ وِلَادَۃ (صاحبِ اولاد ہونا) اُس جگہ متصوّر ہے جہاں صاحبِ ولد کسی خاص مزاج کا مالک ہو اور جو کسی خاص مزاج کا مالک ہے وُہ مرکّب ہے اور ہر مرکّب کو ایک نہ ایک دن فنا ہوتا ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے۔ لَمْ یُوْلَدْ سے اس بات کی تصریح کر دی گئی کہ خدا خود بھی حادث اور مولود نہیں اس لیئے کہ مولودِ حادث کیلیئے بھی ایک خاص مزاج درکار ہے جو بالتدریج اُسے فنا تک پہنچاتا ہے۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اور کوئی اُس کا ہمسر نہیں ۴

”کُفُو“ اُس شخص کو کہتے ہیں جو عمل اور قدرت میں دوسرے کے مساوی ومثل ہو۔ اسمیں اُن ادیان کا ابطال مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے شر

Marfat.com

تسلیم کرتے ہیں جو اللہ کی رائے کے خلاف دوسرے افعال انجام دیتے ہیں کسی کی مدد کرتے ہوں۔ اصل ترتیب
یہ ہے وَلَمْ یَکُنْ اَحَدٌ کُفُوًا لَّہٗ لیکن یہاں مجرور کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے
اور سب سے زیادہ وہی اہتمام کا مستحق ہے جس مفہوم کو اس سورۃ میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے اسی کو دوسری جگہ
تفصیل کیساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا
يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا
لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے (ایسا
کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو۔ قریب ہے کہ اس افترا سے آسمان
پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انہوں نے خدا کیلیے بیٹا تجویز کیا
اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے
ہو کر آئیں گے اُس نے (اپنے علم سے) ان (سب) کو گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے
اور سب قیامت کے دن اُس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے) (مریم)

سُوْرَةُ الْفَلَقِ

سورۂ فلق مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

۱۔ بعض مفسرین کی رائے میں الفلق سے مراد صبح ہے اور ربّ الفلق سے مراد وہ خدا جس نے نظام کواکب
اسطور پر بنایا ہے کہ زمین میں پورا اندھیرا ہو جانے کے بعد صبح بڑی آب و تاب کے ساتھ روشنی نمودار ہو

۲۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ الفلق سے مراد ہر موجود ممکن ہے اور ربّ الفلق سے مراد ہے وہ خدا جس
نے امکان کے عدم کے پردے کو چیرا۔ ظاہر ہے کہ جو صبح کا مالک ہے جو موجود ممکن کا خالق ہے وہی اس لائق ہے کہ سب سے
الگ ہو کر اس کے دامن میں پناہ لیجئے۔

Marfat.com

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ‏ اس چیز کی برائی سے جو اُس نے پیدا کی ہے ۔
یہاں یہ سبق دیا کہ ہر وہ تکلیف جو اُسکی مخلوقات سے آپ کے بارے میں آسکتی ہے اُس سے پناہ مانگیں اللہ ہی اُس کا خالق بھی ہے جس کے وجود کی حکمت و فلسفہ کو ہم نہیں جانتے بہت ممکن ہے کہ ایک چیز ایک پہلو سے شر ہو اور دوسرے پہلو سے خیر ہو۔ فرض کرو ایک بھیڑیا کسی انسان کو کھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ انسان کے بارے میں شر ہے لیکن وہ بھیڑیا جسے کھانے کیلیے رزق درکار تھا اُس کے لیے یہ سراپا خیر ہے ۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ‏ اور شب تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے
غَسَقَ کا معنی بہنا اور گرنا ہے جب کوئی شخص کہیں چلا جائے تو اُس موقعہ پر عرب کہتے ہیں فُلَانٌ غَسَقَ یہاں غاسق سے مراد رات ہے اور وَقَبَ یعنے دخل ہے رات کے مصائب سے خاص طور پر اس لیے پناہ مانگی جارہی ہے کہ دن کے مقابل رات میں زیادہ خوف پایا جاتا ہے انکے دوسرے مصائب کا ذکر کیا

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ‏ اور گرہوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی برائی سے
کسی رسی یا دھاگے میں گرہ ڈالی جاتی ہے اُسے العقد کہتے ہیں پھر ہر وہ چیز جسے مضبوط کردیا جائے اُس پر عُقدہ کا اطلاق ہوتا ہے اسی لیے میاں بیوی کے شرعی تعلق کو عقدۃ النکاح کہتے ہیں' النَّفّٰثٰت کا مادہ "نفث" ہے یعنی ہلکی پھونک مارنا اس سے مراد وہ چغلخور ہیں جو لوگوں میں اُلفت اور محبت کے روابط کو ختم کرتے رہتے ہیں اس کو النفّٰثٰت فی العقد سے اسلیے تعبیر کیا گیا کہ جسطرح ایک شعبدہ باز جادوگر میاں بیوی میں محبت کی گرہ کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ جادو اور ٹونا کرتے ہوئے دھاگے میں کچھ گرہ لگاتا ہے اور پھر کچھ پڑھکر اُسمیں پھونک مارتا ہے چونکہ ایک چغلخور بھی جادوگر کیطرح عمل کرتا ہے اور دوستوں کے درمیان مخفی مسائل سے دشمنی کی تخم ریزی کرتا ہے لہٰذا چغلخوروں کو بھی اسی زمرے میں شمار کیا گیا۔ بعض مفسرین نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ لبید بن الاعصم نے جادو کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان کا مرض ہوگیا یہانتک کہ آپ ایک کام کرنیکے بعد یہ خیال فرماتے کہ آپ نے اُسے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو اطلاع دی اور ایک کنوئیں میں سے اُن تمام اشیا کو نکال لیا گیا جن سے جادو کیا گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحتیاب ہوگئے اور یہ سورۃ نازل ہوئی —— ہمارے خیال میں یہ واقعہ منگھڑت ہے بلکہ اس سے تو مشرکین کے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (تم تو ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو) (الفرقان) اہل عرب کے نزدیک مسحور وہ شخص ہے جسکے ہوش و حواس [illegible]

Marfat.com

سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس شریف میں جادو کے اثر کی جو حدیث وارد ہوئی ہے وہ صحیح ہے لہذا اس بات پر اعتقاد رکھنا لازم ہے اور اسکی تصدیق نہ کرنا بدعت ہے اور یہ کہ جادو قرآن شریف سے ثابت ہے۔ آپ غور کریں کہ اندھی تقلید کرنے والوں کی نظر میں دین صحیح اور حق صریح ایک بدعت کی صورت اختیار کر گیا۔ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جو قرآن کی رو سے جادو کو ثابت کرتے ہیں ——— واقعہ میں اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ قرآن مجید ہی ایک یقینی کتاب ہے جو باتیں اسمیں بیان ہوئی ہیں انپر اعتقاد لازم ہے قرآن مجید نے بار بار حضور صلعم کے سحر کی نفی کی ہے اور بتایا ہے کہ مشرکین کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر جادو کیا گیا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ آنحضور صلعم پر سحر کا اثر کہیں نہیں ہوا۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ — اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے۔

حاسد اس شخص کو کہتے ہیں جو محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرے جس شخص سے حسد کیا جائے وہ کسیطرح اپنے حاسد کو دفع نہیں کر سکتا۔ جب بے بسی کا یہ عالم ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی جانب ہی رجوع کرنا چاہیے وہی اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے کہ حاسد کی اذیت سے اس (محسود) کو محفوظ رکھے اور نقصان کیلیے حاسد جو تدبیر کرے اسے ناکام بنا سکے

سورۃ النّاس

سورۃ ناس مکی ہے اور اسمیں چھ آیتیں ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ — کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں (اور اس کی مدد مانگتا ہوں) ——— مَلِكِ النَّاسِ یعنے لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی وہ جو انسانوں پر حاکم ہے اور انکے اعمال کو محفوظ رکھتا ہے ——— إِلَٰهِ النَّاسِ لوگوں کے معبود برحق کی، جو اپنی عظمت کیوجہ سے انکے دلوں پر قابو رکھتا ہے ——— باوجودیکہ اللہ تعالیٰ سب کائنات کے خدا ہیں مگر یہاں اسکی اضافت صرف "النّاس" کی جانب ہے اسلیے کہ انسان ہی اسکی صفات کے بارے میں زیادہ گمراہ ہوتے ہیں انہوں نے اللہ کے علاوہ اوروں کو بھی اپنا آقا قرار دے رکھا ہے جب کچھ ملتا ہے تو اپنے انہی آقاؤں کیطرف منسوب کرتے ہیں اور جب انپر کوئی مصیبت آتی ہے تو انہی کیطرف رجوع کرتے ہیں انہی آقاؤں کو شفعاء قرار دیتے ہیں اپنے خیال میں انہیں روحانیت کا بادشاہ سمجھتے ہیں اور انکا خیال ہے کہ ہمارا سارا نیک و بد انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ ان عقائد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر ان روحانیت کے بادشاہوں کی کتابیں پڑھی جانے لگیں اور کتب سماویہ کی تعلیمات دھری کی دھری رہ گئیں اور حد یہ ہے کہ یہ لوگ شفعاء سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ اگر خدا کے ڈر سے اس ڈر کا مقابلہ

Marfat.com

کیا جائے تو وہ اس پر بھی بھاری اُترے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (شیطان) وسوسہ انداز کی بُرائی سے جو (خدا کا نام سن کر) ہٹ جاتا ہے۔ "وسوسہ" کا اصل معنی ہے مخفی آواز عورت جب زیور پہنے ہوئے چلتی ہے تو زیور کے باہم ٹکرانے سے جو آواز سی آتی ہے اُسے بھی وسوسہ کہتے ہیں۔ یہاں الوسواس سے مراد وہ بُری باتیں ہیں جو انسانی ذہن میں آتی ہیں۔ "الخناس" خنس سے مشتق ہے۔ بُری باتیں جو انسانی دماغ میں آتی ہیں جب انسانی عقل اُنکے نتائج کو سوچے تو یہ بُری باتیں ایک ایک کر کے ذہن دماغ سے رخصت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وصفِ خناس کو بیان کر کے ہمیں اس امر پر مطلع فرمایا کہ وہ بری باتیں جو ذہن میں آجاتی ہیں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر انہیں دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے جن لوگوں پر وساوس کا تسلط ہوتا ہے اُنکی قوتِ ارادی کمزور ہو جاتی ہے جسکے نتائج اقوام و افراد کے بارے میں کسی وقت بھی خراب سے خراب تر ہو سکتے ہیں ـــــ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے (خواہ وہ) جنات سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ میں "مِنْ" بیانیہ ہے جو الذی یوسوس کی تشریح کیلئے ہے۔ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو اقسام ہیں ایک جنات دوسرے الناس۔ جنات ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ہماری نگاہوں سے مخفی ہے اور ہم اُس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ ایک منبط از خود کوشش کرتا ہے کہ انسانی ذہن میں بُرے سے بُرے خیالات ڈالے اس موقعہ پر ایک شخص شیطان کا حلیہ تک بتاتا ہے حالانکہ شیطان سے مراد ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو برائیوں کی طرف برابر مائل کرتی رہتی ہے

فَقَدْ تَمَّ الْمُخْتَارُ مِنَ الْمَنَارِ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْغَفَّارِ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَالْمُخْتَارُ

حررہ محمد علی تبریزی غفرلہ ولوالدیہ ۱۳۹۰ھ

Marfat.com

مفتی محمد عبدہ کی تفسیر المنار پارہ عمّ کا لُبِّ اخیر

الموسوم بہ

المختار
مِن
المنار

برائے طلباء ایم۔ اے (عربی)

محمد حمزہ نعیم ایم اے

ملنے کا پتہ :-
المکتبۃ العلمیہ ۱۵۔ لیک روڈ لاہور

Marfat.com